Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

شرتاج

اردو گائیڈ

رادھا کرشن آنند اینڈ کمپنی بُک سیلرز و پبلشرز

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سرتاج

اُردو گائیڈ

برائے

ہائیر سیکنڈری پارٹ فسٹ (XI)

پیپرز اے اور بی

مصنفہ و مرتبہ

موہن لال گپتا ریٹائرڈ سینیئر اُردو ٹیچر

پبلشرز

رادھا کرشن آنند اینڈ کمپنی بکسیلرز و پبلشرز

پریم ناتھ ڈوگرہ مارگ پکہ ڈنگہ جموں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(جملہ حقوق تجی پبلشرز محفوظ)

سرتاج اردو گائیڈ برائے ہائیر سیکنڈری پارٹ فسٹ (XI کلاس)

اشاعت :- 1997ء
تعداد :- ایک ہزار
کتابت :- قاضی کاشمیری
طباعت :- ایس - ایچ آفسیٹ پریس دہلی
قیمت
MAXIMUM RETAIL PRICE
INCLUSIVE OF ALL TAXES
50.00

SARTAJ
URDU GUIDE
Higher Secondary Part I (XI Class)

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پیپر اے۔ نصاب برائے ہائیر سیکنڈری پارٹ I

ا۔ تشریح اقتباس مصنف اور سبق کے حوالے کے ساتھ۔

2۔ ادیبا کے حالات زندگی و طرز تحریر و ادبی خدمات۔ یا۔

خلاصہ سبق۔ شامل نصاب۔

3۔ مضمون خلاصہ۔

4۔ (ا) اصناف ادب پر مختصر نوٹ۔ (دو پر)

ناول۔ افسانہ۔ ڈراما۔ طنز و مزاح۔ مقالہ۔

(ب) محاورات کا جملوں میں استعمال یا واحد جمع۔

5۔ شامل نصاب مضامین۔

سن پیدائش و وفات۔ کس مصنف کا کون سا سبق۔

کون سا سبق کس مصنف کا۔

شامل نصاب مصنفین کی تصانیف۔ سوال کے دو حصے ہوں گے۔

(ا) سلیکشن ٹائپ۔ (ب) خالی جگہوں کو پر کرنا۔

کتب :۔ نیا ادبی نصاب (حصہ نثر) از عظیم الحق جنیدی۔

صرف مندرجہ ذیل اسباق :۔

ا۔ ایک یادگار وصیت۔ جواہر لال نہرو۔

2۔ گلی ڈنڈا۔ منشی پریم چند۔

3۔ ایک کہانی۔ مرزا فرحت اللہ بیگ

4۔ مرحوم کی یاد میں۔ پطرس بخاری

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

5۔ تلاش۔ امتیاز علی تاج / قدسیہ زیدی

6۔ آخری قدم۔ ڈاکٹر ذاکر حسین

7۔ الیکشن۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔

8۔ اردو ناول کا ارتقاء۔ پروفیسر آل احمد سرور۔

9۔ محلے کی ہولی۔ اطہر پرویز۔

کتاب نمبر 2، اصناف ادب اردو از ڈاکٹر قمر رئیس۔

پیپر ب

نصاب برائے ہائیر سیکنڈری پارٹ I

1۔ اشعار غزل کی تشریح بحوالہ شاعر۔ (2) نظم کا خلاصہ۔

3۔ شعراء کے حالات زندگی اور خصوصیات کلام۔ (4) اصناف سخن پر نوٹ (دو پر)

(ا) غزل، مرثیہ، مثنوی، قصیدہ، رباعی اور قطعہ۔

(ب) تشبیہ۔ طرفین تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ) وجہ تشبیہ یا وجہ شبہ

غرض تشبیہ، حرف تشبیہ، استعارہ۔ طرفین استعارہ،

استعارہ بالکنایہ۔ استعارہ بالتصریح۔

(5) اوبجیکٹو ٹائپ شامل نصاب شعراء کے نام مع تخلص سن پیدائش و وفات،

نصاب میں شامل کسی شاعر کی کون سی نظم یا کسی نظم کا کون سا شاعر۔

غزل گو، قصیدہ گو، مرثیہ نگار، مثنوی نگار، نظم نگار، مشہور شعراء۔

سوال کے دو حصے ہوں گے:۔

(ا) سبجیکٹو ٹائپ (ب) خالی جگہوں کو پُر کرنا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کتب:- ۱- اوراق ادب (حصہ نظم) تفصیلی مطالعہ

۲- اصناف ادب اردو } غیر تفصیلی مطالعہ

۳- نسیم البلاغت

اوراق ادب کی مندرجہ ذیل غزلیں اور نظمیں شامل نصاب ہوں گی۔

نام شاعر	غزلیات
1- میر تقی میر	1، 2، 3
2- خواجہ حیدر علی آتش	1، 2، 3
3- مرزا اسداللہ غالب	1، 2، 5
4- خواجہ الطاف حسین حالی	1، 2۔
5- سید فضل الحسن حسرت موہانی	2، 3۔
6- علی سکندر جگر مراد آبادی	1، 5

نام شاعر	منظومات	نام شاعر	منظومات
1- نظیر اکبر آبادی۔	مکافات عمل	5- اقبالؔ	قومی گیت
2- میر انیس۔	حضرت حسینؓ کی جنگ کے لئے رخصت	6- پنڈت برج نارائن چکبست۔	خاک ہند
3- حالی۔	خود ستائی	7- اسرار الحق مجاز۔	رات اور ریل
4- اکبر الہ آبادی۔	فرضی لطیفہ		

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کتاب سے متعلق چند ضروری باتیں

سراج اردو گائیڈ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی پرکھ آپ خود کر سکتے ہیں۔ "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا"۔

یہ گائیڈ ہائیر سیکنڈری پارٹ فسٹ (پی یو سی) اردو امتحان کے امیدواران کے لئے نہایت محنت و جانفشانی سے تیار کی گئی ہے جو اُن کے لئے ہر لحاظ سے مفید ہے اور اُن کے سلیبس کے عین مطابق لکھی گئی ہے۔ اس کے بغور مطالعہ سے طالب علم اردو ادب سے کافی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اور اردو مضمون میں تھوڑی سی کوشش کرنے سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

گائیڈ کے مطالعہ سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ گائیڈ کس حد تک آپ کی کامیابی کے لئے معاون و مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

گائیڈ میں کسی پیچیدگی یا مشکل پسندی کا احتمال نہیں۔ ہر مضمون سلجھا ہوا، صاف، سادہ، آسان اور عام فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر طالب علم اسے آسانی سے سمجھ سکے۔ ع۔ میں نے الجھا ہوا مضمون کبھی باندھا ہی نہیں۔

اس گائیڈ میں سلیبس کے مطابق ہر مضمون کی ترتیب اور تسلسل کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ امتحانی نقطۂ نظر سے سوالات کے جوابات درج ہیں نیز ہر کتاب پر تبصرہ و تنقید کی گئی ہے حصہ نثر و نظم میں کہانیوں کے خلاصے اور تمام اشعار کی آسان تشریح کر دی گئی ہے مصنفین اور شعراء کے حالات زندگی، خصوصیات، تاریخ پیدائش و وفات غرضیکہ پوری واقفیت دلائی گئی ہے نیز انشاپردازی، اصناف اردو ادب اور رسم البلاغت سے متعلق ہر قسم کی وضاحت کی گئی ہے۔ (خیر خواہ: [illegible] کیانی)

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پیپراے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نیا ادبی نصاب۔ حصّہ نثر

- ادیبوں کے سوانح حیات۔
- سلیبس میں منظور شدہ کہانیوں کے خلاصہ جات اور
- پیراگرافوں کی تشریح۔

فہرستِ مضامین

نام ادیب	نام مضمون
۱۔ پنڈت جواہر لال نہرو	ایک یادگار وصیت
2۔ منشی پریم چند	گلی ڈنڈا
3۔ مرزا فرحت اللہ بیگ	ایک کہانی
4۔ پطرس بخاری	مرحوم کی یاد میں
5۔ امتیاز علی تاج و قدسیہ زیدی	تلاش
6۔ ڈاکٹر ذاکر حسین	آخری قدم
7۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی	الیکشن
8۔ پروفیسر آل احمد سرور	اُردو ناول کا ارتقاء
9۔ اطہر پرویز	محلے کی ہولی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ایک یادگار وصیّت

جواہر لال نہرو

پیدائش ۱۴ نومبر 1889ء

وفات ۲۷ مئی 1964ء

پنڈت جواہر لال نہرو آزاد ہند کے پہلے وزیر اعظم اور موجودہ زمانے کے مانے ہوئے سیاست دان تھے۔ آپ کا جنم پنڈت موتی لال نہرو کے گھر ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو ہوا۔ آپ نے انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی اور بیرسٹری پاس کرنے کے بعد ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں حصہ لینے لگے۔ کانگرس میں شامل ہو کر اپنی محنت سے تھوڑے ہی عرصہ میں کافی شہرت حاصل کی۔ عوام کو آپ کے ساتھ بے حد عقیدت اور محبت تھی۔ اس لئے کہ آپ نے بھی عوام کو بہت زیادہ پیار دیا تھا۔

۱۹۲۹ء میں آپ لاہور کانگرس کے صدر بنے اور راوی کے کنارے لاکھوں ہندوستانیوں کے درمیان مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کیا۔ اُس کے بعد بھی آپ کئی بار کانگرس کے صدر چنے گئے۔ آپ کی قابلیت ایکتا اور آپ کی قربانی بے مثال تھی۔ ملک اور قوم کی خاطر کئی بار جیل کی مصیبتیں جھیلیں۔

آپ ایک عالمگیر شہرت کے مصنف بھی تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کا تعلق دنیا کی تاریخ اور ہندوستان کی تاریخی، سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل سے ہے۔ آپ کی کتابوں کے ترجمے کئی زبانوں میں ہوئے۔

آپ نے اپنی غیر جانبداری، خلوص و محبت، آزادی کی جدوجہد، قربانی اور انسان دوستی کی وجہ سے دنیا بھر میں اپنا نام بلند کر لیا تھا۔ دنیا کے تمام لوگ آپ کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آج تک آپ کا نام لوگوں کے دلوں میں تازہ ہے۔ آپ ۲۷ مئی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

سنہ 1964ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ صلح و آشتی کے پیغمبر مانے جاتے تھے۔

۱۔ ایک یادگار وصیت کہانی کا خلاصہ

ایک یادگار وصیت میں پنڈت جواہر لال نہرو نے محبت، اخلاق، مذہب اور سماج، تاریخ اور کہانیاں، تہذیب اور تمدن سبھی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد ہمیں ایک ایسی وصیت کی ہے کہ ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ ہمارے نیتا کی رُوح کو تسکین اور شانتی حاصل ہو۔ پہلے انہوں نے محبت کے بارے میں لکھا ہے کہ محبت ایسی انمول چیز ہے کہ اس کے بدلے میں کچھ دینا ممکن ہی نہیں۔ یعنی ؎

ع۔ محبت ایسی دھڑکن ہے جو جتلائی نہیں جاتی

اگر دیش کی جنتا پنڈت جی کے ساتھ محبت کرتی تھی تو کیا وہ اپنے دیش کی جنتا سے کم محبت کرتے تھے؟ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب بھی دیش بھر کے بچے پنڈت نہرو کو "چاچا نہرو" کہہ کر پکارتے ہیں اور ہر سال 14 نومبر کو اُن کی یاد مناتے ہیں۔ "تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی"۔ اگر پنڈت جی نے دیش بھر کے لوگوں سے محبت کا ثبوت دیا تو لوگوں نے بھی اُن سے انتہائی محبت کر دکھائی۔ جیسا کہ قدرتی بات ہے ؎

اُلفت کا تب مزا ہے ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اُن کی پہلی وصیت یہ ہے کہ آپس میں محبت اور پریم سے رہنا سیکھو، دوسری وصیت یہ کہ "میری لاش کو جلا کر اُس کی راکھ الہ آباد بھیج دی جائے"۔ کچھ حصہ گنگا میں بہا دیا جائے اس لئے کہ گنگا بھارت کی خاص ندی ہے اور جنتا کو پیاری ہے۔ گنگا ہندوستان کی پرانی تہذیب کی نشانی ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

تیسری وصیت کہ میری راکھ کا بچا ہوا بڑا حصہ ہوائی جہاز میں لے جاکر اُن کھیتوں میں بکھیر دیا جائے جہاں بھارت کے کسان محنت و مشقت کرتے ہیں تاکہ وہ بھارت کی مٹی میں مل جائے اور وطن کی خاک میں میری مٹی مل کر ہندوستان کا ابدی حصہ بن جائے

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
وصیت	مرتے وقت ہدایت کرنا	مسرت	خوشی	ترنگوں	اُمنگوں
		عظیم	بڑا	انمول	قیمتی
محف	صرف	سنگیت	راگ	بندھن	بندش
بے پایاں	بے حد	راکھ	خاک	تہذیب	شائستگی
اُمنگیں	ترنگیں	اہل	قابل	اہمیت	ضرورت
رتیوں	رسموں	عقیدت	اعتقاد کرنا	—	—

5۔ تشریح کے لئے پیرا:۔ صفحہ نمبر 8۔

جہاں تک میری ذات کا .... سوچ بچار کر رہا ہوں۔

یہ پیرا یا عبارت ایک یادگار وصیت کے مضمون سے لی گئی ہے۔ جس کو پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے۔ وہ ان سطور میں لکھتے ہیں۔ جہاں تک میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ میری راکھ گنگا میں بھی بہائی جائے وہ مذہب کے ساتھ وابستہ نہیں۔ اس بات کی میرے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نزدیک کوئی خاص ضرورت کبھی نہیں۔ یہ صرف اس لئے چاہتا ہوں کہ مجھے بچپن ہی سے گنگا اور جمنا سے محبت رہی ہے جیسے جیسے میں جوان ہوتا گیا اور موسم بھی بدلتے گئے تو ان ندیوں کی لہروں کو دیکھا کہ ان لہروں میں ہزاروں سال کے تاریخی واقعات گیت اور سنگیت وابستہ ہو گئے ہیں اور ان ندیوں کے پانی کے ساتھ مل جل گئے ہیں۔ اس بات کو میں ہمیشہ سوچتا رہا ہوں۔ اس لئے میری راکھ گنگا میں بہائی جائے۔

نتیجہ:۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی وصیت صرف اپنے خاندان کے لوگوں کے نام نہیں بلکہ دیش کے انسانوں کے لئے ہے۔ بھارت کا پرانا تہذیبی ورثہ دلوں میں ولولے اور امنگیں پیدا کرتا ہے۔ اس سے ہم آگے بڑھتے ہیں ترقی کرتے ہیں اور اگر پرانی ریتوں رسموں کے غلام بن جائیں تو ہندوستان ترقی نہیں کر سکتا محبت اور انسانیت زندگی کا راز ہے۔ وطن کے دریا، پہاڑ اور زرخیز میدان ہی ہماری زندگی کا دارومدار ہیں اور انہیں میں فنا ہو جانا ہماری حیات ابدی ہے۔

2۔ گلی ڈنڈا

منشی پریم چند

پیدائش سنہ ۱۸۸۰ء   وفات سنہ 1936ء

منشی پریم چند کا اصلی نام دھنپت رائے تھا لیکن وہ پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا جنم سنہ ۱۸۸۰ء میں بنارس کے قریب ایک گاؤں پانڈے پور میں ہوا۔ آپ کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا۔ آپ سات برس کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا اور پندرہویں برس میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سات آٹھ سال فارسی پڑھ کر بنارس سے انٹرنس پاس کیا اور محکمہ تعلیم میں ملازمت حاصل کی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

منشی صاحب نے ۱۹۰۱ء سے "زمانہ" میں مضامین لکھنا شروع کئے۔ ۱۹۰۴ء میں ایک ناول "پریما" لکھا۔ اور ۱۹۱۲ء میں "جلوۂ ایثار" لکھا۔ اردو کی طرح آپ کو ہندی میں بھی کمال حاصل تھا۔ منشی صاحب کو چھوٹے چھوٹے افسانے لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ آپ ہندوستانی دیہاتوں کے ہو بہو نقشے کھینچتے اور کسانوں کے طرزِ زندگی نہائیت عمدگی سے بیان کرتے تھے۔

پریم چند انسانی فطرت کے بڑے گہرے نباض تھے۔ وہ زندگی کا بلند اخلاقی تصور رکھتے تھے۔ انہیں ہندوستان کی تہذیب سے محبت تھی۔ وہ حب الوطنی کے جذبہ سے معمور اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے خواہاں تھے۔

پریم چند نے ناولیں بھی لکھیں اور مختصر کہانیاں بھی۔ افسانے کی ٹیکنیک پر انہیں کامل عبور حاصل تھا۔ پریم چند کا خاص میدان دیہاتی زندگی تھا۔ ان کے مرقع میں انسانی زندگی کے مختلف پہلو گہرے حسن آفرین اثر کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ پریم چند نے مکالموں کو بلند فنی مہارت کے ساتھ اپنے افسانوں میں برتا ہے۔ ان کے مکالمے کرداروں کی سیرت بڑے لطیف اور دلکش انداز میں نمایاں کرتے ہیں۔ گفتگو میں موقع اور محل کا پورا لحاظ اور جذبات و خیالات کی پوری رعائیت ہوتی ہے۔

پریم چند کی زبان کا خاص وصف پُر تاثیر سادگی ہے۔ وہ ستھری، رواں اور عام فہم زبان لکھتے ہیں۔ انہیں اردو اور ہندی دونوں پر یکساں عبور حاصل تھا۔ دونوں کے خوشگوار میل ملاپ سے انہوں نے اپنی تحریر میں بلا کی لچک، مٹھاس اور تاثیر پیدا کردی۔

گلی ڈنڈا کہانی کا خلاصہ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

گلی ڈنڈا ایک ایسی کھیل ہے اور سب کھیلوں کا راجہ ہے۔ کوئی اب انگریزی کھیل نہیں جو

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بغیر خرچ کئے کھیلا جا سکتا ہو۔ فٹ بال، کرکٹ، ہاکی، والی بال وغیرہ سب انگریزی کھیل ہیں جو بغیر پیسے خرچ کئے نہیں کھیلے جا سکتے۔ لیکن گلی ڈنڈا کھیلنے کے لئے نہ پیسوں کی ضرورت اور نہ بڑے لمبے چوڑے میدان کی ضرورت ہوتی ہے۔ درخت کی ایک شاخ توڑ کر گلی بنالی۔ دو لڑکے میدان میں آگئے تو کھیل شروع ہو گیا۔ انگریزی کھیل امیر لڑکوں کے لئے ہیں جن کے پاس سامان خریدنے کے لئے پیسے ہیں۔ غریب لڑکوں کے لئے گلی ڈنڈا نہایت سستا اور دلچسپ کھیل ہے۔ ننھے ننھے بچے میدان میں ہر وقت ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے گلی ڈنڈے پکڑے خوشی سے اچھلتے کودتے ہیں۔ گلی ڈنڈے کا ہندوستان بھر میں عام رواج ہے۔ بچے اس کھیل کو بڑے شوق سے کھیلتے ہیں۔ دیہاتوں میں اکثر کھلے میدانوں میں بچوں کی ٹولیاں گلی ڈنڈا کھیلتی دکھائی دیتی ہیں۔ کیسے شوق سے دوڑ رہے ہیں گویا دنیا بھر کی دولت اسی گلی ڈنڈا میں انہیں نصیب ہے ؛

منشی پریم چند اپنی پرانی یادوں میں گلی ڈنڈا ہی کو اپنی پسندیدہ یاد بتاتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ ان کی بچپن کی یادوں میں گلی ڈنڈا ہی سب سے شیریں یاد ہے وہ علی الصباح گھر سے نکل جانا۔ وہ درخت پر چڑھ کر ٹہنیاں کاٹنا اور گلی ڈنڈا بنانا۔ وہ جوش و خروش، وہ کھلاڑیوں کے جمگھٹے، وہ پدنا اور پدانا، وہ لڑائی جھگڑے، وہ بے تکلف سادگی جس میں چھوت اچھوت اور غریب امیر کی کوئی تمیز نہ تھی"۔ ذرا اسی گلی میں دنیا بھر کی مٹھاس اور لطف بھرا ہوا ہے۔

منشی پریم چند جی اپنے ہمجولیوں میں سے ایک ہمجولی "گیا" کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں لکھتے ہیں ایک دن ہم اور گیا دونوں ہی کھیل رہے تھے وہ پدا رہا تھا اور میں پد رہا تھا۔ پدنا ایک منٹ کا بھی اسے اچھا نہیں جاتا۔ میں گلا چھڑانے کے لئے گھر کی طرف بھاگا۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

گیا نے مجھے دوڑ کر پکڑ لیا اور ڈنڈا تان کر بولا میرا داؤں دے جاؤ، پیسے کے وقت کیوں بھاگے جاتے ہو۔ بیس سال گزرنے کے بعد جب میں انجینیر تھا اسی گاؤں میں دورہ کرتے پہنچا اور ڈاک بنگلے میں ٹھہرا۔ اس جگہ کو دیکھتے ہی بچپن کی یاد تازہ ہو گئی۔ ایک جگہ میں نے دو تین لڑکوں کو گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھا۔ میں اپنے آپ کو بالکل بھول گیا کہ میں افسر ہوں۔ ایک لڑکے سے پوچھا۔ کیوں بیٹے! یہاں کوئی گیا نام کا آدمی رہتا ہے؟ ایک لڑکے نے کہا۔ کون گیا؟ گیا چمار۔ ہاں تو ہے۔ لڑکا دوڑا گیا اور گیا کو بلا لایا۔ میں نے پوچھا۔ کہو کیا مجھے پہچانتے ہو؟ گیا نے جھک کر سلام کیا۔ ہاں مالک! بھلا پہچانوں گا کیوں نہیں میں نے گیا سے پوچھا۔ کیا اب بھی گلی ڈنڈا کھیلتے ہو؟ گلی ڈنڈا کیا کھیلوں گا سرکار۔ اب تو پیٹ کے دھندے ہی سے چھٹی نہیں ملتی۔ میں نے کہا۔ آؤ آج ہم تم کھیلیں تم پدانا ہم پدیں گے۔ تمہارا ایک داؤں ہمارے اوپر ہے وہ آج لے لو۔

ہم دونوں کار میں بیٹھ کر بستی سے بہت دور تنہائی میں چلے گئے اور دونوں گلی ڈنڈا کھیلنے لگے۔ میں نے گلی ڈنڈا کھیلتے بہت ہی بے ضابطگیاں کیں لیکن گیا کچھ نہ بولا۔ واپسی پر گیا بولا۔ کل یہاں گلی ڈنڈا ہوگا جب تمہیں فرصت ہو۔ سب ہی کھلاڑیوں کو بلالوں گا۔ میں نے شام کا وقت دیا اور دوسرے دن میچ دیکھنے کو گیا۔ کھیل شروع ہوا۔ میں موٹر پر بیٹھا بیٹھا تماشہ دیکھنے لگا۔ آج گیا کا کھیل اور اس کی کرامات دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ ٹل لگاتا تو گلی آسمان سے باتیں کرتی۔ کل کی سی وہ جھجک وہ ہچکچاہٹ اور وہ بے دلی آج نہ تھی۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لوٹ پوٹ	تڑپ	گھائل	زخمی	خود نمائی	نمائش

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معنی
ہمجولیوں	ساتھیوں	شیخی بگھارنا	اپنی تعریف آپ کرنا	متعجب	حیران
وابستہ	جڑا ہوا	کایا پلٹ	کچھ سے کچھ ہو جانا	جھینپتا ہوا	شرماتا ہوا
رسیلی	رس بھری	مقناطیسی	کشش	بے قاعدگی	بے ضابطگی
مجال	طاقت	گھپلا	شور و غل	فاتحانہ	فتح کیا گیا
صریحاً	اعلانیہ	وسعت	لمبائی چوڑائی	بے عنوانی	بے ضابطگی

6۔ تشریح کیجیے:۔ صفحہ نمبر 144۔

میں نے شام کا وقت .... جھلاتی تھی۔

یہ اقتباس "گلی ڈنڈا" مضمون سے لیا گیا ہے جس کو منشی پریم چند نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ کل جب میں گیا کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلا۔ تو وہ مجھ سے شرما رہا تھا کیوں کہ میں افسر ہوں لیکن آج وہ آزادانہ اُن پرانے بچپن کے ساتھیوں کے ساتھ جن میں میرے بھی کئی ساتھی تھے اور کئی ایسے نوجوان بھی تھے جن کو میں پہچان نہ سکتا تھا۔ شام کے وقت کھیل شروع ہوا۔ اور یہ میچ میں نے خود تجویز کیا تھا۔ کھیل شروع ہوا میں موٹر میں بیٹھ کر دیکھ رہا تھا۔ گیا کا کھیل اور اس کے معجزے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس کی گلی آسمان تک جاتی تھی کل جیسی جھجک اور خوف نہ تھا۔ کل اُس نے اگر مجھے اس طرح پدایا ہوتا تو میں رونے لگتا۔ آج اُس نے کمال ہی کر دکھایا۔

3۔ ایک کہانی

مرزا فرحت اللہ بیگ

پیدائش 1883ء   وفات 1946ء

1883ء میں دہلی میں پیدا ہوئے 1905ء میں کالج دہلی سے بی۔ اے کر کے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حیدر آباد دکن میں ملازم ہو گئے جب ریٹائر ہوئے تو اسسٹنٹ ہوم سکریٹری تھے وہیں سنہ 1947ء میں انتقال ہوا۔

فرحت اللہ بیگ کی زبان دلی کی ٹکسالی زبان ہے۔ شوخی اور سنجیدہ طنز وظرافت ان کی انشا کا طرۂ امتیاز ہے۔ بیان کی سادگی اور زبان کا لوچ ان کی ظرافت میں چار چاند لگا دیتا ہے اسی لئے مزاح نگاری میں انہیں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ مشاہیر کی قلمی تصویر کھینچنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اپنے استاد "مولوی نذیر احمد کی کہانی اپنی زبانی" ان کا غیر فانی شاہکار ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں "فرحت اللہ بیگ کی زبان نرم و نازک تھی۔ جیسے ریشم، لطیف تھی جیسے ہلکی ہلکی شبنم، نرم تھی جیسے پھول کی کلی شیریں تھی جیسے مصری کی ڈلی حسن و عشق کے کھیل کھیلتے لیکن بازاریت کے قریب جب بھی نہ گزرتے۔ ہنسی، چہل، مزاح اور دل لگی کی چیز مہیا رکھتے لیکن ابتذال کا سایہ بھی نہ پڑنے دیتے۔ ہنساتے، گدگداتے، کبھی کبھی چٹکی بھی لے لیتے لیکن ظرافت اور تمسخر کی درمیانی حدوں کو کہیں بھی نظر سے اوجھل نہ پڑنے دیتے۔" مرزا فرحت اللہ بیگ کہتے ہیں "زندگی کے بس دو ہی پہلو ہیں۔ زندہ دلی اور مردہ دلی۔"

؎ زندگی زندہ دلی کا نام ہے مُردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

ایک وہ لوگ ہیں جو مصیبت میں بھی ہنستے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں۔

"ہنستے رہو، مسکراتے رہو مصیبت میں سیٹی بجاتے رہو"

دوسرے وہ لوگ ہیں جو خوشی میں بھی روتے ہیں۔ ایک مرنے کو جینا سمجھتے ہیں۔ دوسرے جینے کو مرنا۔ زندگی کے ان ہی دو نوں پہلوؤں نے کئی مذہب کی شکل اختیار

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کی اور کبھی فلسفے کے مکتبوں کی صورت۔ غرض دنیا بھر کے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک رونی صورت۔ دوسری ہنسنی مورت۔ کوئی انشا بنا اور کوئی میر۔"

عام طور پر مرزا فرحت اللہ بیگ کو ایک مزاح نگار ادیب سمجھا جاتا تھا لیکن انہوں نے جو ادبی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اس کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض مزاح نگار ہی نہ تھے بلکہ ایک انشا پرداز تھے جو اپنے قلم پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے عہد کے دو بزرگوں کی قلمی تصویریں بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کی ہیں۔ ایک" نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی۔" دوسری" ایک وصیت کی تعمیل" جو وحید الدین سلیم سے متعلق ہے ان دو خاکوں کے علاوہ مرزا فرحت اللہ بیگ کے چند اور بھی مضامین شخصیت نگاری میں شمار کئے جا سکتے ہیں:

"ایک کہانی"۔ کہانی کا خلاصہ

"ایک کہانی" سبق میں آپ کو شروع سے لے کر آخر تک بول چال کا لطف آئے گا۔ اور ایسا محسوس ہوگا جیسے کوئی بیٹھا سچ مچ آپ سے کہانی کہہ رہا ہے۔ اس کہانی میں جاڑے، گرمی اور برسات کو جاندار بنا کر آپ کے سامنے ان کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ گرمی کے دن تھے رات چاندنی تھی۔ سعیدہ اور حمیدہ، احمد اور محمود نے نانی اماں سے کہانی سننے کا تقاضا کیا۔ بڑی بی نے اس طرح کہانی کہنا شروع کی۔ ایک تھی بڑھیا۔ بے چاری کے ایک ہی بچہ تھا مصیبت کی ماری دن بھر سوت کاتتی اور شام کو ہاں دینا بنئے کے ہاں بیچ آتی۔ بچے بیچ بیچ میں ٹوک دیتے۔ بڑی بی ہاں بنئے کے پاس سے دال، آٹا، نمک مرچ لاتی خود کھاتی۔ بچے کو کھلاتی۔ اسی طرح کئی برس گزر گئے۔ بچہ سیانا ہوگیا جب ذرا سیانا ہوا تو میاں کے پاس پڑھنے بٹھایا۔ وہ لڑکا ایسا نکلا کہ سبحان اللہ۔ تھوڑے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دنوں میں بڑھ بڑھ خاصا مولوی ہو گیا۔ اب بڑی بی کے دن پھرے۔ ماں بیٹا دونوں بڑے مزے سے رہتے۔ بڑی بی نے بچے کی شادی کر دی۔ جب تک گھونگھٹ رہا اس وقت تک کسی نہ کسی طرح گزرتی گئی۔ گھونگھٹ اٹھنا تھا کہ ساس پر مصیبت آگئی۔ زبان سے ہوتے ہوتے ہاتھ پیر اتر آئی۔ خود ہی بڑھیا کو مارتی اور خود ہی آنسو بہانے لگتی۔ خاوند کو ایک دن ایسا بہکایا کہ بیٹے نے ماں کو خوب مارا اور مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا۔ بیچاری بڑھیا روتی ہوئی جنگل بیابان میں جہاں آدم نہ آدم زاد ایک بڑ کے درخت کے نیچے جا بیٹھی اور لگی منہ ڈھانک ڈھانک کے رونے۔ خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ انہیں دنوں جاڑا، گرمی اور برسات میں جھگڑا ہوا۔ جاڑا کہتا تھا کہ میں اچھا، گرمی کہتی تھی کہ میں اچھی، برسات کہتی تھی کہ میں اچھی۔ آخر صلاح یہ ہوئی کہ چلو چل کر کسی آدم زاد سے پوچھیں۔ ان کا جو ادھر گزر ہوا تو تینوں نے کہا۔ لو بھئی وہ سامنے ایک بڑھیا بیٹھی رو رہی ہے۔ چلو اس سے پوچھیں۔ سب سے پہلے جاڑا بڑھیا کے پاس آیا اور پوچھا میں کیسی ہوں؟ بڑھیا نے اس کی بڑی تعریف کی۔ جاڑے نے بڑھیا کو ایک ہزار اشرفی کی تھیلی دی۔ پھر گرمی آئی۔ گرمی نے بڑھیا سے پوچھا۔ میں کیسی ہوں؟ بڑھیا نے گرمی کی بہت تعریف کی۔ اس نے بھی بڑھیا کو ایک ہزار اشرفی کی تھیلی دی۔ آخر میں برسات نے بڑھیا سے پوچھا۔ میں کیسی ہوں؟ بڑھیا نے اس کی بھی تعریف کی۔ برسات نے بھی ایک ہزار اشرفی کی تھیلی دی۔ بڑھیا تین ہزار اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر شام کو گھر خوشی خوشی سے آئی۔ بہو تھیلیاں پا کر بہت خوش ہوئی۔ اچھے اچھے کھانے بڑھیا کو کھلائے اور اچھے اچھے کپڑے سلوا دئے۔

بی ہمسائی نے جو اتنی رونق اور چہل پہل دیکھی تو اس سے نہ رہا گیا۔ ایک دن پوچھا "بہن ایک بات پوچھوں؟ تم تو نہ مانو گی؟" بڑھیا کی بہو نے کہا ہاں بہن، شوق سے پوچھو۔ برا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ماننے کی کون سی بات ہے۔ بی ہمسائی نے کہا۔ بہن آخر ہم سے بھی کہو کہ یہ تمہاری ساس کہاں سے روپیہ مار لائیں۔ اگر چوری کا روپیہ نکلا تو بڑھیا کے ساتھ کہیں تم بھی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔ بڑھیا کی بہو نے ڈر کے مارے ساس پر جو گزری تھی پوری سنا دی۔ بی ہمسائی سنتی رہیں اور ہنستی رہیں۔ سب کچھ سنا۔ گھر آئی۔ کھڑکی بند کر کے اپنے میاں کے پاس پہنچی اور ان کو سارا قصہ سنا دیا۔ انہوں نے اپنی بڑھیا کو مارا پیٹا اور جنگل میں اسی بڑ کے نیچے ڈال آئے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا۔ جاڑا گرمی برسات تینوں پھر ملے۔ وہ ایک ایک کر کے اس بڑھیا کے پاس گئے۔ بڑھیا نے تینوں کی بڑی بے عزتی کی۔ جاڑے نے بڑھیا کو لقوہ دیا۔ گرمی نے لو اور برسات نے لنگڑا کر دیا۔ بہو اور بیٹا اشرفیوں کی تھیلی لینے بڑ کے نیچے گئے۔ دیکھا کہ وہ لوتھ پوتھ پڑی ہیں۔ لاد کر گھر لائے۔ مرہم پٹی کی جب ہوش آیا۔ بڑھیا نے ساری کہانی سنائی۔ ان دونوں نے اسے خوب مارا اور گھر سے نکال دیا۔ اب بیچاری سڑک کے کنارے بھیک مانگتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کھسر پسر	کانا پھوسی	آفتاب	سورج	مہتاب	چاند
ٹسوے بہانا	جھوٹ موٹ رونا	آدم زاد	آدم کی اولاد	سن	عمر
خس خانہ	خوشبودار گھاس والامکان۔	آگ بگولہ	غصے میں بھرا ہوا لال سرخ۔	ہمسائی	پڑوسی
قارون کا خزانہ۔	بہت بڑا خزانہ۔			اڑن گھائیاں	چالاکیاں
		آفت کی پڑیا	دغا باز	جلے بھنے	تندمزاج سڑے بلے
مہاوٹ	جاڑے کا موسم	نگوڑی	خراب حالت	چیکٹ ہوگئے	بوسیدہ ہوگئے
تصفیہ	فیصلہ	لوتھ پوتھ	خون سے بھرا ہوا		پرانے پھٹ گئے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نک چڑھی — مغرور غصہ والی + رونی صورت — رونے والی شکل

8۔ تشریح کیجیئے: صفحہ نمبر 152 بڑی بی کو سچنے کی.........

بیٹے نے بھی خوب مارا۔ یہ پیرا "ایک کہانی" مضمون سے لیا گیا ہے جس کو مرزا فرحت اللہ بیگ نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ بڑی بی اور اس کا بیٹا دونوں بڑے مزے میں رہتے تھے جب بڑی بی کے پاس کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو اس نے بڑی دھوم دھام سے اپنے بیٹے کی شادی بڑی تلاش کے بعد ایک بڑی خوبصورت لڑکی سے کی جو سورج اور چاند کی طرح تھی۔ اسے وہ بڑے لاڈ پیار سے رکھتی۔ اچھے سے اچھا کپڑا پہننے کو دیتی اور اچھے سے اچھا کھانا کھلاتی۔ جب تک شرم وحیا رہی تب تک ٹھیک رہی جس وقت شرم اتار دی تو ساس کی شامت آگئی۔ پہلے تو زبان تک محدود رہی پھر بڑھیا پر ہاتھ اٹھانے لگی۔ آنسو بہاتی اور خاوند سے لگائی بجھائی کرتی۔ آخر مار پیٹ کر بڑھیا کو گھر سے نکال دیا۔

4۔ مرحوم کی یاد میں

سید احمد شاہ بخاری پطرس

سنہ 1898ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں انگریزی کے استاد مقرر ہوئے پھر یہیں پرنسپل ہو گئے۔ آل انڈیا ریڈیو میں ڈائریکٹر جنرل براڈکاسٹنگ رہے۔ سنہ 1950ء میں انجمن اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے مقرر ہوئے۔ بعد میں اقوام متحدہ کے سکریٹریٹ میں انڈر سکریٹری (اطلاعات) کا عہدہ ملا۔ سنہ 1958ء میں امریکہ میں انتقال ہوا۔

پطرس نامور ادیب، انشا پرداز اور مزاح نگار تھے۔ انہوں نے اپنے مضامین میں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

اُن تمام لطافتوں کا اظہار کیا ہے جو ہمیں مغرب میں نظر آتی ہیں۔ اس طرح پطرس کے

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اردو مزاح نگاری کے چمنستان میں نئے نئے گل بوٹوں کا اضافہ کیا۔

پطرس کے مضامین میں اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح کی چاشنی اور تازگی ہے۔ وہ بلاشبہ اپنے زمانے کے ممتاز مزاح نگار تھے۔

پطرس نے بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ انہیں اردو ادب کے صفِ اوّل میں جگہ دلانے کے لئے کافی ہے۔ اُن کے مضامین کا ایک مجموعہ "پطرس کے مضامین" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ انہوں نے اردو مزاح نگاری کو ایک نئے راستے پر لگانے کی کوشش کی ہے جہاں فطری انداز موجود ہے۔ وہ ہنسانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ واقعات کا تسلسل اور کرداروں کے حرکات و سکنات فطری طور پر اس طرح دکھاتے ہیں کہ اپنے آپ مزاح کا پہلو نکل آتا ہے۔

پطرس نہایت ذکی الحس اور ذہین صاحب قلم تھے۔ اُن کا پلاٹ کوئی گورکھ دھندا یا بھول بھلیاں کا منظر نہیں پیش کرتا بلکہ اُن کا فطری اُتار چڑھاؤ، مکالمہ اور روانی سب ایک جگہ جمع ہو کر معمولی سے خیال کو بھی بلند کر دیتا ہے۔

پطرس کی زبان سادہ اور دلچسپ ہے اس میں روانی اور زور کے ساتھ ساتھ ایک لوچ اور دلکشی ایسی ہے جو انہیں صاحبِ طرز بنانے میں مدد دیتی ہے۔ اُن کا اسلوبِ بیان زبان کی تمام لطافتوں سے بھرا ہوا ہے۔

پطرس کے افسانوں میں انسانی سیرت کا بہت گہرا نفسیاتی مطالعہ ملتا ہے۔ اُن کی کردار نگاری بڑے معیار کی ہوتی ہے اور فن کی نازک صناعی کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتی ہے۔ جدید اردو ادب کے مزاح نگاروں میں پطرس کا نام ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مرحوم کی یاد میں کہانی کا خلاصہ

یہ پطرس کا ایک مزاحیہ مضمون ہے جس میں ایک پرانی ٹوٹی پھوٹی بائیسکل کی یاد ہے جو پطرس کو مرزا صاحب اُن کے دوست نے دی۔ بات یوں چلی کہ مرزا صاحب کچھ سوچ رہے تھے اور پطرس بھی کسی گہری سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب خدا جانے کیا سوچ رہے تھے۔ لیکن پطرس زمانے کی ناسازگاری پر غور کر رہے تھے کہ ایک موٹر کار سڑک پر سے گزری وہ ایسی ترکیب سوچنے لگے کہ جس سے دُنیا کی تمام دولت سب انسانوں میں برابر برابر تقسیم کی جاسکے میں نے مرزا صاحب کے قریب جا کر کہا کہ میں ایک موٹر کار خریدنے لگا ہوں۔ مرزا نے دو تین بار ہوں کہا۔ میں نے سمجھا کہ مرزا صاحب میرے موٹر خریدنے پر خوش ہیں۔ میں سگریٹ پینے میں لگ گیا۔ اور مرزا سے کہا کہ آپ مجھ سے حسد کی وجہ سے خاموش ہو۔ مرزا نے جواب دیا۔ نہیں! یہ بات نہیں ہے میں صرف خریدنے کے 'لفظ' پر غور کر رہا ہوں کہ موٹر کار خریدنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ جو تمہارے پاس نہیں ہیں اس لئے بہتر یہی رہے گا کہ تم ایک سائیکل خرید لو۔ میرے پاس ایک بائیسکل ہے۔ میں نے مرزا سے پوچھا۔ آپ کی بائیسکل کی قیمت کیا ہے مرزا نے کہا کہ میں نے یہ بائیسکل پونے دو سو روپیہ میں خریدی تھی مگر اب پرانی ہو گئی ہے اسلئے اتنی قیمت کی نہیں رہی۔ میں نے کہا۔ میرے پاس جتنے روپے ہوں گے۔ آپ کو لینے پڑیں گے میں نے چالیس روپیہ مرزا کی جیب میں ڈال دئیے اور کہا کہ یہ معمولی سی رقم قبول کر کے کل بائیسکل بھجوا دینا۔

مرزا نے گھر جا کر بائیسکل بھیج دی۔ جب میں صبح اٹھا تو نوکر نے خوشخبری سنائی کہ آپ کی بائیسکل آگئی ہے۔ میں نے نوکر سے بائیسکل صاف کرنے کو کہا۔ پرزوں میں تیل ڈلوا دیا۔ تیار ہو کر بائیسکل لے کر سیر کے لئے چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور پہنچا ہونگا کہ بائیسکل خراب

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوگئی۔ مستری کے پاس لے آیا۔ مستری نے مرمت کے چالیس روپے مانگے۔ میرے پاس اس قدر رقم نہ تھی۔ میں نے صرف ہینڈل اور گدی ٹھیک کروائی۔ مستری نے بتایا کہ مرزا صاحب کالج میں پڑھتے تھے یہ بائیسکل اُن کے پاس تھی۔ اُس کے بعد اُن کے لڑکے بھی اسی بائیسکل پر چڑھ کر کالج آیا جایا کرتے تھے۔ دو سال ہوئے لڑکوں نے پڑھائی چھوڑ دی تو مرزا صاحب میرے پاس فروخت کرنے کے لئے لائے تھے۔ یہ بائیسکل بہت پرانی ہے اب اس کا صرف ڈھانچہ ہی ڈھانچہ رہ گیا ہے۔ یہ سُن کر مجھے تعجب ہوا کہ مرزا صاحب نے مجھ سے کیسا دھوکا کیا ہے۔ بائیسکل ٹھیک کروا کر چل پڑا۔ آگے جا کر ایک اور بائیسکل کی دکان والے سے پوچھا کہ اسے خرید لو۔ اُس نے تین روپیہ قیمت ڈالی۔ یہ سُن کر مجھے بہت غصہ آیا۔ بائیسکل پر سوار ہو کر آگے چل پڑا۔ کچھ دُور گیا تھا کہ بائیسکل کا اگلا پہیہ نکل کر سڑک کے پار چلا گیا۔ میں زمین پر گر پڑا۔ لوگ دیکھ کر ہنسنے لگے۔ میں نے ایک ہاتھ سے بائیسکل کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ میں پہیہ لے کر چل پڑا۔ دریا پر پہنچا تو دونوں پہیوں کو باری باری دریا میں پھینک دیا۔ اور سیدھا مرزا کے گھر گیا تو اُن کو وہ اوزار جو انہوں نے مُفت دیا تھا واپس دیا۔ اب تک مرحوم بائیسکل کی یاد میرے دل میں ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لطف اندوز	مزا لینا	تخیل	خیال	گھڑوں پانی پڑنا	زیادہ بارش ہونا
نازک طبع	نازک دل	ناسازگاری	ناموافق	پسینہ پسینہ ہونا	سخت محنت کرنا
یکجا کرنا	مضبوط کرنا	اٹھکھیلیوں	مخول	علم کیمیا	کیمسٹری کا علم
تبسم	مسکراہٹ	ایثار	قربانی	صرف	خرچ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
نکتہ چینی کرنا	بن میخ نکالنا	لاپروائی	استغنا	چھوٹا، ادنیٰ	حقیر
بول چال	گفت و شنید	عقل ہوش	حواس	رعب میں آنا	مرعوب
مختصر حالت	مجمل ہیئت	نامہذب	ناشائستہ	—	—

6۔ تشریح کیجئے۔ صفحہ نمبر 192

مشکل سے ہمیں قدم گیا ہوں گا .... اپنے آپ کو سنبھالا۔

یہ سطور "مرحوم کی یاد میں" کہانی سے لی گئی ہیں۔ مستری کی دکان سے بائیسکل ٹھیک کروا کر بڑی مشکل سے میں بیس قدم ہی گیا ہوں گا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ زمین اچانک ہی اچھل کر میرے جسم کے ساتھ آ لگی ہے اور آسمان میرے سر سے اتر کر ٹانگوں میں جا لگا ہے اور ادھر ادھر کی تمام عمارتیں گرتی ہوئی نظر آ رہی ہیں جس وقت مجھے ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ میں بڑے مزے سے زمین پر بیٹھا ہوا ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ بڑی مدت کے بعد میرا شوق پورا ہوا ہے میرے چاروں طرف لوگ جمع تھے اور میری حالت پر ہنسی اڑا رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ سائیکل بنانے والے سے سائیکل بیچنے کی بات چیت ختم کی ہی تھی۔ دیکھتا ہوں کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ نکل کر دور سڑک کے پار لڑھکتا ہوا چلا گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اکھڑے ہوئے پہیئے کو ایک ہاتھ میں پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے باقیماندہ سائیکل کو تھام کر چل کھڑا ہوا۔

5۔ تلاش

امتیاز علی تاج ۔ قدسیہ زیدی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

سید امتیاز علی تاج ۱۹۰۰ء میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کیا۔ کالج کے ڈرامیٹک کلب میں بہت دلچسپی لی تصنیف و تالیف کا بہت اچھا ملکہ اور سلیقہ رکھتے تھے۔ تاج کا شاہکار انارکلی ہے جو اردو ادب کے ڈراموں کا تاج ہے۔ اسی لئے اس ڈرامہ پر اردو زبان کو فخر و ناز ہے۔ اس میں سلیم (جہانگیر) کی دلدوز ٹریجڈی اور اس کی دلربا کنیز انارکلی کا حسرتناک انجام، معاشرت اور تمدن کی ہو بہو تصویریں اور شاہی قلعہ کی بول چال ہے۔

امتیاز علی تاج کا خاندان اصل میں سہارنپور کا تھا اُن کے والد ممتاز علی لاہور گئے اور وہاں سے تعلیم نسواں کے سلسلے میں مختلف کتابیں لکھیں اور رسالہ تہذیب نسواں نکالا۔

تاج کو بچوں کے ادب سے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ انہوں نے دارالاشاعت کے ذریعے اردو زبان و ادب کی غیر معمولی خدمت انجام دی۔ تاج کا مشہور ڈرامہ انارکلی اردو ادب میں خاصے کی چیز ہے اس ڈرامہ کو بجا طور پر تاج کا شاہکار کہا جاتا ہے۔ تاج نے "چچا چھکن" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں چچا چھکن کی مختلف حرکتوں اور عادتوں کو بڑے دلچسپ انداز میں لکھا گیا ہے۔ اردو ادب میں تاج کی انارکلی اور چچا چھکن یہ دونوں کتابیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

قدسیہ زیدی

قدسیہ زیدی مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر کرنل بشیر زیدی کی بیوی تھیں آپ نے اپنی زندگی کا اہم حصہ نئی دہلی میں گزارا۔ آپ کی ادبی زندگی کی ابتداء بچوں کی کتابیں لکھنے سے ہوئی جس میں "گاندھی بابا کی کہانی" بہت مقبول ہوئی۔ اس پر حکومت ہند نے آپ کو انعام بھی دیا تھا۔ آپ نے بچوں کے لئے مختلف ڈرامے لکھے۔ ڈرامہ نگاری کا شوق اس حد تک بڑھ گیا کہ آپ نے چند احباب کی مدد سے دہلی میں "ہندوستانی تھیٹرز" کی بنیاد رکھی اور تن من دھن سے اس کام میں لگ گئیں۔ اس تھیٹر کے ذریعہ سے زیدی نے متعدد ڈرامے پیش کئے۔ بیگم زیدی نے امتیاز علی تاج کی مشہور کتاب "چچا چھکن" کے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چار رُ ولوں کو ڈرامے کی شکل دی۔ "تلاش" اُس کا ایک رُوپ ہے۔ یہ چاروں ڈرامے اکثر اسکولوں میں اسٹیج بھی کئے جاتے ہیں۔

ڈرامہ "تلاش" کے کردار

ڈرامہ "تلاش" ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے۔ سید امتیاز علی تاج کی کتاب چچا چھکن کے چار رُولوں کو بیگم قدسیہ زیدی نے ڈرامے کی شکل دی ہے۔ "تلاش" اُس کا ایک روپ ہے۔ "تلاش" میں ربڑ کی تھیلی کی تلاش"۔ تمباکو کی تلاش، اور عینک کی تلاش وغیرہ کا ذکر ہے۔ چچا چھکن لحاف اوڑھے سوئے ہیں۔ اتنے میں اُن کے ایک دوست خان صاحب کا نوکر ربڑ کی تھیلی لینے آتا ہے۔ خان صاحب کو پیٹ درد ہے۔

چچا بڑے غصے میں آکر نوکر سے کہتا ہے کہ خان صاحب پٹھان ہے۔ اس نے رات کو دعوت میں زیادہ کھایا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کے پیٹ میں درد ہے۔ انہیں خیراتی ہسپتال میں داخل ہونا چاہیئے۔ ہمیں بے وقت جگا کر بے آرام کیا اور ربڑ کی تھیلی مانگی ہے تھیلی کی علیحدہ تلاش کرنا پڑی۔ ملازم ربڑ کی تھیلی لے کر گھر پہنچا اور چچا کی کہی ہوئی تمام باتیں خان صاحب سے کہہ سنائیں۔ خان صاحب نے تھیلی واپس کر دی۔ ملازم ربڑ کی تھیلی واپس دینے آیا تو کہنے لگا کہ اُسے اپنے پاس ہی رکھنے ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہم لوتل ہی سے کام چلا لیں گے۔ یہ بات سُن کر چچا کو بڑا دکھ ہوا فکر میں نیند نہیں آئی۔ رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔ بیوی پر غصے ہوتے ہیں کہ خان صاحب سے بالش کی شیشی کیوں منگوائی تھی۔ پھر باورچی خانے میں جا کر تمباکو کو تلاش کرتے ہیں۔ تمباکو نہیں ملا تو نوکر کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اُسے لات مارتے ہیں۔ نوکر روتا ہوا اندر جاتا ہے۔ چچی نوکر سے پوچھتی ہے۔ کیوں روتے ہو؟ اتنے میں چچا آجاتا ہے۔ نوکر سے پوچھتے ہیں۔ تمباکو کدھر ہے۔ نوکر ایک ٹین لاتا ہے جس میں تمباکو بھرا ہوا تھا

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کہتا ہے کہ یہ طاق میں رکھا تھا۔ چچا جھٹ غصے میں آجاتا ہے۔ کہتا ہے بے وقوف طاق بھی کیا تمباکو رکھنے کی جگہ ہے۔ چچا اپنی بیوی، نوکر اور رغان صاحب کے خلاف ہو جاتا ہے اتنے میں دُدّو اور چھٹن اندر آتے ہیں۔ دُدّو ہاتھ میں تولیا لئے غسل خانے میں جاتا ہے چھٹن دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ دُدّو دروازہ نہیں کھولتا پھر چچا آتا ہے غسل خانے کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ دُدّو کو باہر نکال دیتا ہے۔ دُدّو کے جسم پر صابن ملا ہوا ہے۔ چچی اُس کو باہر ہی نہلاتی ہے۔ چچا نہانے کے بعد باہر آتا ہے۔ پھر اندر جاتا ہے پھر غسل خانے میں جاتا ہے۔ کبھی اندر آتا ہے کبھی باورچی خانے میں جاتا ہے کبھی غسل خانے میں جاتا ہے جیسے کوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ تکئے کے نیچے دیکھتا ہے۔ تخت پر پڑے کپڑوں میں دیکھتا ہے۔ اتنے میں بنّو اندر آتی ہے۔ چچا اسے اپنے پاس بُلا کر کہتا ہے کہ ہماری عینک کھو گئی ہے مگر تیری چچی کو علم نہیں ہونا چاہیئے۔ بنّو مُسکرا کر جواب دیتی ہے کہ عینک تو آپ نے پہن رکھی ہے۔ چچا عینک اُتار کر دیکھتا ہے تو بنّو زور سے ہنستی ہے تو چچا کہتا ہے کہ ماں سے نہ کہنا۔ میں تمہیں مٹھائی کھلاؤں گا۔ چچا بازار جاتا ہے وہاں سے بہت سی مٹھائی خرید کر لاتا ہے اور سب کو مٹھائی کھلاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
چلتے	کڑکے	رمق	ذرا سا	نامعقول	نامناسب
اجیرن	ناگوار	خراٹوں	خرخر کی آواز	آستین	قمیض کی بانہہ
کمبخت	بدقسمت	بھوہڑپن	بیوقوفی	کنٹوپ	ایک قسم کی ٹوپی
بیہودہ	بیحس	توفیق	طاقت	بھٹیارہ	نانبائی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تجہیز و تکفین	مردے کے کفن دفن کا انتظام	مذاق	مخول	کان پر جوں رینگنا۔	بالکل بے خبر اور غافل رہنا۔
احمق	بیوقوف	انسانیت	آدمیت	چھیپٹیاں۔	لکڑی کی چھیلنیں
حرام خور	حرامی	قہقہہ	زور سے ہنسنا	میراث	ورثہ
لحاف	رضائی	تفتیش	تلاش	نکڑ	کونا

۷۔ تشریح کیجئے:- صفحہ نمبر 207۔

گئی تو کہاں گئی۔ . . . . سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں ہو سکتی ہے۔

یہ اقتباس "تلاش" ڈرامہ سے لیا گیا ہے جس کو تاج نے لکھا ہے۔ یہ تلاش عینک کی ہے جو چچا نے لگا رکھی ہے اور تلاش کرتے ہیں۔ تکیے کے نیچے کپڑوں کے اندر چاروں طرف ڈھونڈتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اس گھر میں ہر چیز غائب ہو جاتی ہے تخت پر کے میلے کپڑے ایک ایک کر کے جھاڑتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں چلی گئی ہے۔ تاج نے چچا چھکن کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو مزاحیہ رنگ میں ہے۔ "تلاش" بھی اسی کتاب کا ایک مضمون ہے جس کا ترجمہ قدسیہ زیدی نے کیا ہے۔ اس میں تمباکو کی تلاش، ربڑ کی تھیلی کی تلاش اور عینک کی تلاش نہایت مزاحیہ قسم کا مضمون ہے

6۔ آخری قدم

ڈاکٹر ذاکر حسین

پیدائش سنہ 1897ء — وفات 3 مئی سنہ 1967ء

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کا وطن فرخ آباد کا قصبہ قائم گنج ہے لیکن آپ کی پیدائش حیدر آباد میں سنہ 1897ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام خان فدا حسین خان ہے۔ آپ آفریدی پٹھان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے قائم گنج سے [illegible] سے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میٹرک پاس کرکے ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ سے ایم۔اے پاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں جرمنی چلے گئے جرمنی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

بہت عرصہ تک جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی میں پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتے رہے لیکن اپنی تنخواہ تین سو روپیہ سے گھٹاتے گھٹاتے پچھتر روپے کر دی۔

مہاتما گاندھی نے جب ہندوستان کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کرنا چاہی تو ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین بنائے گئے۔ ۱۹۲۶ء میں ذاکر صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۸ء تک وہ جامعہ ملیہ میں کام کرتے رہے۔ اس زمانے میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کو ایک بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم حکومت ہند نے ذاکر صاحب سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس وقت علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کی ذمہ داری سنبھال لیں۔ انہوں نے ان غیر موافق حالات میں علیگڑھ میں وائس چانسلر کے فرائض کو بڑے شاندار طریقے سے ادا کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے اصرار پر انہوں نے بہار کی گورنری قبول کر لی۔ ۱۹۶۲ء میں وہ ہندوستان کے نائب صدر مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن کی سبکدوشی کے بعد آپ صدر جمہوریہ ہند بھی بنے۔

ذاکر حسین کی شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں۔ وہ ماہر تعلیم بھی تھے اور ماہر معاشیات بھی۔ وہ ایک کامیاب انشاء پرداز بھی تھے۔ انہیں پھولوں سے عشق تھا۔ انہوں نے بچوں کے ادب سے غیر معمولی دلچسپی لی اور ان کی بدولت اردو میں بچوں کے ادب کی اہمیت بڑھی۔ انہوں نے بچوں کے لئے خود لکھ کر پارس پتھر کا کام کیا۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آخری قدم ۔ کہانی کا خلاصہ

آخری قدم کہانی میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے ایک ایسے نیک آدمی کے کردار کو پیش کیا ہے جس کے پاس بہت دولت تھی لیکن وہ اُس دولت کو اپنی نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ اللہ میاں کی امانت خیال کرتا تھا اور وہ اس دولت سے خود بہت کم فائدہ اٹھاتا تھا۔ بلکہ دوسروں کو بے حد فائدہ پہنچاتا تھا۔ خود ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا تھا۔ کھدر کے بہت معمولی کپڑے پہنتا تھا۔ چنے چبا کر گزارہ کر لیتا تھا۔ یا کبھی بکی کی کھیلیں کھا کر پیٹ بھر لیتا تھا۔ اگر کبھی کھانا بھی کھاتا تو ایک وقت پکا کر تین وقت کھا لیا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے لوگ اُسے کنجوس، "میاں مکھی چوس" کہا کرتے تھے۔

بعض لوگ اُس کی دولت کی وجہ سے جلتے تھے وہ اُسے اور بھی چھیڑتے اور بدنام کرتے تھے۔ وہ بھی اپنی دُھن کا پکا تھا۔ برابر چھپ چھپ کر چپ چپاتے اپنی دولت سے کسی نہ کسی مستحق کی مدد کرتا ہی رہتا تھا اور اس طرح کہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو اُلٹے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی اور زبان پر ذکر آنے کا تو ذکر ہی کیا۔

نہ جانے کتنی بیوائیں اُس کے پیسوں سے پلتی تھیں۔ کتنے یتیموں کو پڑھایا تھا جو پڑھ لکھ کر بڑے بڑے عہدوں پر کام کرتے تھے۔ کتنے مدرسے کھولے تھے کتنے ہی شفاخانے کھولے تھے جن میں ہزاروں بے جان پہچان لوگ اور دکھی لوگ آرام پاتے تھے۔ لیکن یہ مشہور تھا کنجوس، مکھی چوس، سب اُسے برا کہتے تھے۔ ہر دم برا کہنے سے اُس کا جی دُکھتا تھا آنکھوں میں آنسو بھر آتے لیکن صبر کر لیتا۔

اُس کے پاس ایک خوبصورت سی کتاب تھی نیلے کپڑے کی ہلکی سی جلد تھی پشتے پر سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا تھا "حساب امانت" اس کتاب میں وہ اپنا پیسے پیسے کا

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حساب لکھا کرتا تھا۔ جس کو بھی کچھ دیا تھا سب اس میں درج تھا۔ کسی یتیم کو پڑھنے کے لئے وظیفہ دیا ہے تو اس کے کیفیت کے خانے میں درج ہے "اب وہ احمد آباد میں ڈاکٹر ہیں اور انہوں نے وہاں کے یتیم خانے کے ناظم کو دو ہزار روپیہ دئے ہیں" دہلی کے ایک مدرسے کو ایسے وقت میں کہ اس کا کوئی مددگار نہ تھا۔ دس ہزار روپے دئے تھے اندراج رقم کے سامنے کیفیت میں لکھا تھا "سالانہ رپورٹ پڑھی ہر صوبے میں اس کی ایک ایک شاخ قایم ہو گئی ہے اور گاؤں گاؤں میں مرکز قایم کر دئے گئے ہیں"

اس کتاب کو وہ اکثر اٹھا کر پڑھنے لگتا تھا کسی نادان دوست کی زبان سے دل دکھتا تو ضرور اس کتاب کی ورق گردانی کرتا تھا۔ اسے کبھی کبھی دیکھ کر مسکراتا بھی تھا اس کا ارادہ تھا کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے چھوڑ جاؤں گا جو عمر بھر مجھے پہچانے بغیر میرا دل دکھاتے رہے۔ انہیں ایسا شرماؤں گا کہ بس سر نہ اٹھے گا۔

ہوتے ہوتے بڑھاپا آ گیا بدن جواب دینے لگا۔ سخت بیمار ہوا چارپائی کے پاس ہی میز پر وہ نیلی خوبصورت کتاب "حساب امانت" رکھی تھی چند لمحے اس کی طرف غور سے دیکھا آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ایسے کہ تھمتے ہی نہ تھے بڑی مشکل سے کتاب کو اٹھایا پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال ۔۔۔۔۔ ان کو شرما کر تجھے کیا ملے گا۔ تو اپنا کام کر چلا۔ اپنے کام سے کام منزل تو پہنچی "آخری قدم" کیوں ڈگمگائے دونوں ہاتھوں سے کتاب تھامی۔ بڑی مشکل سے کتاب کو انگیٹھی میں پھینک دیا۔ کتاب جلنے لگی تو ایک شعلہ اٹھا۔ اس کی روشنی میں ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوئی آنکھیں موند لیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
احباب	دوست	دھن دولت	مال سرمایہ	مکھی چوس	کنجوس
جزائے خیر	اچھا بدلہ	دھن کا پکا	مستقل مزاج	ٹھیس	چوٹ
بیوائیں	رانڈیں	سپُرد	حوالے	اللہ میاں کی امانت	خدا کی امانت
جھنجھلاتا	غصہ ہونا	ورق گردانی	ورق الُٹنا	تمدنی ہستی	مل جل کر رہنے کی زندگی
سخاوت	خیرات	گزی گاڑھے	موٹا کپڑا	سُبک	تیز، ہلکا
تکئے	سرہانے	بہتیرے	بہت سے	پُشتے	کتاب باندھنے کا کپڑا یا چمڑا وغیرہ
کھیلیں	بُھنے ہوئے	بعضے	کئی	مکا	مکئی
خفیف	ہلکا سا، تھوڑا	حساب امانت	امانت کا حساب	اُمت	جماعت، مسلمان

6. تشریح کیجئے:۔ صفحہ نمبر 222۔

کتاب جلنے لگی .... ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لیں۔

یہ عبارت "آخری قدم" کہانی سے لی گئی ہے جس کو ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے وہ ایک نیک اور خیراتی آدمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نیک آدمی نے ایک کتاب "حساب امانت" اپنے پاس رکھی تھی جس میں وہ جتنی رقم یتیموں، محتاجوں، غریبوں اور تعلیمی اداروں کو دیتا تھا۔ اُس رقم کا حساب اُس کتاب میں لکھا تھا خود بڑا کنجوس تھا اس لئے لوگ اُسے کنجوس مکھی چوس کہا کرتے تھے اور اس کا دل دکھاتے تھے۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ یہ کتاب اُن لوگوں کے لئے چھوڑ جائے گا جو اُس کو ستاتے تھے۔ لیکن جب وہ سخت بیمار ہوا تو اُس نے وہ کتاب انگیٹھی میں ڈال دی کتاب جلنے لگی تو اُس

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کی نظر جلتی ہوئی کتاب پر پڑی جو ابھی تک جلنے میں دیر لگی کیونکہ وہ موٹی تھی پھر اندر کے کاغذوں میں آگ لگی تو اس سے روشنی کا ایک شعلہ اُٹھا اور اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ ملّا نے بانگ دی تو بانگ کے ساتھ نیکیوں کے اس قافلہ سالار اس نیک مسافر نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں مُوند لیں۔

7۔ الیکشن

پروفیسر رشید احمد صدیقی

پیدائش 1895ء — وفات 1977ء

رشید احمد صدیقی 1895ء میں جونپور کے ایک قصبہ مریاہو میں پیدا ہوئے۔ علیگڑھ سے فارسی میں ایم۔اے کر کے اُردو ادب کے پروفیسر ہو گئے۔ مسلم یونیورسٹی میں تمام عمر گزار کر وہیں سے پنشن لی اور علیگڑھ کو اپنا وطن بنا لیا۔ رشید احمد طنز و مزاح میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں اُن کے مضامین میں انفرادیت اور ایک مخصوص شان ہوتی ہے اُن کے طرزِ تحریر کی ایک بڑی خوبی اِس کی ادبی شان اور چُبھتے ہوئے فقرے ہیں استعارے، کنائے اور شاعرانہ نزاکتِ بیان کے نمونے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے طنز کو اعلےٰ مہارتِ فن کے ساتھ زندگی کی تنقید کے لئے بھی برتا ہے اور اصلاح کے لئے بھی۔ اُن کا طنز اِس قدر جاندار اور بھرپور ہوتا ہے کہ دل و دماغ پر اُس کے نہ مٹنے والے اثرات قائم ہو جاتے ہیں۔ اُن کا انداز گہرے طور پر علمی ہے اُن کے مزاح کو سمجھنے اور صحیح طور پر اُس سے لطف اندوز ہونے کے لئے مطالعہ اور نظر کی ضرورت ہے۔

رشید صاحب نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں ہی مزاحیہ مضامین لکھنا شروع کر دئے تھے اور اُن مضامین کی قدر اُن کے طالب علمی ہی کے زمانے میں شروع ہو گئی تھی اُن میں انوکھاپن، تازگی، بانکپن اور ادبی حُسن تھا۔ رشید صاحب کئی سال

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تک علیگڑھ میگزین کے ایڈیٹر بھی رہے اور ریس سکریٹری ہونے کے علاوہ یونین کے سکریٹری بھی تھے۔ رشید صاحب کا انداز بیک وقت فلسفیانہ بھی ہے اور لطافت خیز بھی۔ فلسفے کی خشکی کا اُن کے یہاں گزر نہیں اور لطافت کبھی بے محابا قہقہہ بننے نہیں پاتی۔ یہی اُن کے فن کا کمال ہے۔ اُن کی زبان حسین اور ادبی آرائشوں سے بہرہ ور ہوتی ہے اور ذہن کی رچی ہوئی شائستگی کو بڑے نکھرے ہوئے انداز میں نمایاں کرتی ہے۔

مزاحیہ مضامین کے علاوہ رشید صاحب نے شعر و شاعری ادب پر بلند پایہ تنقیدیں بھی لکھی ہیں۔ مزاحیہ ادب پر اُن کا تحقیقی اور تنقیدی مقالہ تنقیدی معیار کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش نگاہ کردیتا ہے۔ اُن کے سوانح مضامین کا مشہور مجموعہ "گنجہائے گرانمایہ" ادبی حلقوں میں غیر فانی امتیاز حاصل کرچکا ہے۔ "آشفتہ بیانی میری"۔ "شیخ نیازی" اور "ہم نفسانِ رفتہ" اُن کی حال کی تصانیف ہیں۔

الیکشن۔ کہانی کا خلاصہ

پروفیسر رشید احمد صدیقی الیکشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں الیکشن ایک تماشہ بن کر رہ گیا ہے۔ پہلے تو ممبر اپنا لاکھوں روپیہ خرچ کرکے جیتتے ہیں اور جیت کر کروڑوں روپے کماتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ممبروں کو نہ عوام کے ساتھ کوئی ہمدردی ہے اور نہ ہی ملک کی بہتری و بہبودی کا خیال ہے انہیں صرف کرسی درکار ہے۔ الیکشن صرف ہے "قصہ کرسی کا" اور کچھ نہیں۔

اس میں پرانے زمانے کی عدالتوں کا مذاق بھی اڑایا گیا ہے کہ ایک عدالت کا حاکم جو اتنا پڑھا لکھا، تعلیم یافتہ اور سمجھدار نہ تھا۔ اُس نے عدالت میں فریقین سے کہہ دیا کہ اپنے اپنے مقدموں کی پیروی خود کرلیا کرو تاکہ کسی وکیل یا مختار کی کوئی ضرورت ہی نہ رہے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چنانچہ کچھ عرصہ ایسا ہو رہا۔ ایک مرتبہ کسی مقدمہ کی پیروی پر فریقین آپس میں الجھ پڑے خوب گرما گرمی ہو گئی۔ اُس گرما گرمی میں گرمی میں سے آگ کی ایک چنگاری نکلی زور کا دھماکہ ہوا تو جھوٹے آدمی نے سچے آدمی کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ یہ دیکھ کر حاکم نے جھوٹے آدمی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ وکیل یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہاں تو کوئی انصاف نہیں ہے اس جگہ پر میر انیس اور مرزا دبیر کے یہ اشعار موزون اور مناسب حال ہیں۔

انصاف ہو کس طرح کہ دل صاف نہیں ہے
دل صاف ہو کس طرح کہ انصاف نہیں ہے (مرزا دبیر)

عالم ہے مکدر کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے یہ انصاف نہیں ہے (میر انیس)

وکیلوں نے تنہائی میں جا کر حاکم عدالت سے پوچھا کہ آپ نے یہ غلط فیصلہ کیوں دیا اُس نے جواب دیا کہ جو زیادہ شور مچائے زیادہ چیخے چلائے زیادہ جھوٹ بولے آج کل وہی سچا سمجھا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس"۔

یہی حال الیکشن کا ہے۔ ایک ووٹر کہنے لگا کہ کچھ لوگ میری تلاش میں تھے جو مجھ سے ووٹ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کوئی موٹر لئے میرے پیچھے پھرتا تھا۔ کوئی نوٹوں کا لالچ دے کر مجھے پھسلاتا تھا۔ کوئی نوکری کا چکمہ دے کر ووٹ لینا چاہتا تھا کسی نے ٹھیکہ کا لالچ دیا کسی نے روٹ پرمٹ کا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک آدمی ڈنڈا لئے میرے پیچھے بھاگا۔ میں نے اُس سے چند روپیہ قرضہ لیا تھا۔ وہ مجھے ڈرا دھمکا کر مجھ سے ووٹ لینا چاہتا تھا۔ میں اکیلا ووٹر اور تین امیدوار ووٹ لینے والے تھے۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور اندر لے گئے۔ تینوں نے الگ الگ میرے نام بتائے۔ برہما، وشنو، پرسا، پرس رام۔ ایک آدمی نے مجھے بھاگنے کا مشورہ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دیا۔ میں اپنی جان بچا کر بھاگا۔ تو لوگ میرے پیچھے دوڑے پکڑو۔ پکڑو۔ پکڑو۔ میں نے کہا۔ پولنگ اسٹیشن پر حملہ ہو گیا ہے۔ تب لوگوں نے میرا پیچھا چھوڑا۔ وہ پولنگ اسٹیشن کی طرف دوڑے اور میں موقعہ پا کر ایک عالیشان مکان میں داخل ہو گیا۔ اور وہاں جا کر بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ صبح ہوش آیا تو اخبار میں بڑے موٹے حرفوں میں لکھا تھا کہ "کونسل ہال میں ایک انارکسٹ کا حملہ اور دربان کی بہادری۔" ایک لال بجھکڑ سے کسی نے الیکشن کے بارے سوال کیا تو وہ پہلے چیخ مار کر رویا اور پھر کھلکھلا کر ہنسا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی۔ اُس نے جواب دیا۔ میں رویا اس بات پر کہ لوگ کس قدر جاہل ہیں کہ ووٹوں کے بارے مجھے پوچھنے آتے ہیں۔ اور ہنسا اس لئے کہ مجھے خود اس سوال کا جواب معلوم نہیں۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تذکرہ	ذکر	ترکیب	طریقہ	گرگ باراں دیدہ	جہاندیدہ۔ تجربہ کار
خلجان	فکر۔ اندیشہ	سنگین جرم	بڑا بھاری گناہ	گاؤ خورد	ضائع یا برباد ہو جانا
نزول	سرکاری زمین	باتمکین	باعزت	عافیت	امن۔ آرام
ہرچہ باداباد	جو ہو سو ہو	مستثنیٰ	علیحدہ کیا گیا ہو	فریقین	دونوں فریق۔ مدعا اور مدعا علیہ
متعین	مقرر	خائف	خوف زدہ	رقص	ناچ
حمد	خدا کی تعریف	منکشف	ظاہر۔ کھلا	بالعموم	عام طور پر۔
زیرباری کی تلافی۔	اخراجات میں کمی کرنا۔	مسابقت	تہذیب کا علم یا تمدن کی فتح	—	—
		—		—	—

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

6۔ تشریح کیجئے:۔ صفحہ نمبر 236۔

واقعہ صرف یہ ہے .... میری بھی سمجھ میں نہ آئی۔

یہ نثری ٹکڑا " الیکشن " مضمون سے لیا گیا ہے جس کو پروفیسر رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ الیکشن کے دنوں میں گاؤں والے لال بجھکڑ کے پاس وفد کی صورت میں گئے اور کہنے لگے وہ سخت مشکل میں پڑ گئے ہیں" ووٹ کسے دیں۔" لال بجھکڑ نے اُن کی ساری کہانی سن کر پہلے تو زور سے چنگھاڑا۔ اور پھر زور زور سے رونے لگا۔ لوگوں کو اُس کے چنگھاڑنے اور رونے سے جو حیرت ہوئی تھی ابھی وہ ختم ہی نہیں ہوئی تھی کہ لال بجھکڑ نے تھوڑی دیر رک کر فوراً ہی زور سے قہقہہ مارا اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ لوگوں کے وفد نے اس طرح رونے اور ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو لال بجھکڑ نے انہیں جواب دیا۔ بھائی! ردیا تو یہ سوچکر کہ اس گاؤں کے بُرے دن آگئے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد صلاح مشورہ کس سے پوچھا کریں گے اور اُن کا کیا بنے گا اور ہنسا۔ اس لئے کہ خود میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔

8۔ اُردو ناول کا ارتقاء

پروفیسر آل احمد سرور

پیدائش 1912ء

آل احمد سرور کی پیدائش 1912ء میں بدایوں (یو۔پی) میں ہوئی۔ سینٹ جانس کالج آگرہ اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر بننے کا ارادہ تھا لیکن اُردو ادب نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ انگریزی اور اُردو میں ایم۔اے کرکے علیگڑھ میں صدر شعبۂ اُردو ہو گئے۔ سرور اُردو کے مشہور نقاد ہیں۔ اُن کی تنقیدی تحریریں بہت سلجھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے نئی اور پرانی شاعری پر جو تنقید کی ہے وہ اُردو کی فنِ تنقید نگاری میں ایک اضافہ ہے اُن کی تحریر میں شگفتگی اور ندرت و لطافت ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دورِ جدید میں آل احمد سرور نے دلکش ادبی وقار کے ساتھ اردو کے تنقیدی ذخیرے میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ سرور شعر و ادب کا ستھرا اور رچا ہوا مذاق رکھتے ہیں۔ انہوں نے جدید علوم و فنون کی بصیرت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے ادبی مطالعہ میں سمویا ہے۔ اُن کے یہاں حسنِ اعتدال کی ایک روشنی ہے جو بہت دلکش اور جاذبِ توجہ ہے وہ لطیف جنبشِ قلم کے ساتھ زیرِ بحث مسئلے سے حجابات اٹھاتے ہیں اور سرور طبیعت کے عالم میں سخن دلکش پیرایہ میں کہہ جاتے ہیں۔ وہ شعر و ادب کے نفسیاتی تجزیہ میں بھی فکر و بیان کی لطافت بڑے اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں۔

انہوں نے ہمارے شعر و ادب کے بعض چوٹی کے اربابِ فن کی شخصیت ذہن اور ادبی اقدار کا بہت دلآویز نفسیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اُن کی تنقید میں ادبی چاشنی بڑے نکھرے ہوئے انداز میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ وہ بات کو بڑے رچاؤ۔ آرائش اور ٹھہرے ہوئے انداز میں کہنے کے عادی ہیں۔ سرور اچھے نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بہت لطیف مذاق رکھتے ہیں۔

"تنقید کیا ہے؟" "نئے اور پرانے چراغ" اور "تنقیدی اشارے" اُن کے تنقیدی مضامین کے مشہور مجموعے ہیں۔

اُردو ناول کا ارتقاء مضمون کا خلاصہ

ناول ایک بیانیہ صنف ہے اور اپنی ساخت کے اعتبار سے داستانوں کی ترقی شکل بھی۔ اس لئے داستانوں کا مطالعہ تاریخی تسلسل اور ناول کے ارتقائی سفر کی مختلف منزلوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

ناول ایک انگریزی لفظ ہے اور دیکھتے دیکھتے اردو پر چھا گیا۔ قصے کہانیوں کا وجود

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہمارے ادب میں بہت پہلے سے ملتا ہے جیسے الف لیلیٰ، باغ و بہار، سب رس، طلسم ہوشربا، فسانۂ عجائب یا رانی کیتکی کی کہانی اس لئے اہمیت رکھتی ہیں کہ انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں قدیم رنگ سے گریز کرتے ہوئے ناول کے خدوخال واضح کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ساتھ ہی فورٹ ولیم کالج کے زیر اثر لکھی گئی یا ترجمہ کرائی گئی اور داستانیں بھی اُردو کے نثری سرمایہ میں خوبصورت اور معتبر افسانے کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہمارے پرانے قصے کہانیوں اور ناولوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ناول اور زندگی کا بہت گہرا باہمی تعلق ہے۔ ناول میں زندگی کے مختلف تجربے اور مناظر ہوتے ہیں واقعات کا سلسلہ ہوتا ہے۔ پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری اور زندگی کے فلسفے کی جھلک ہوتی ہے۔

مولوی نذیر احمد کی کہانیاں ناولوں کا اوّلین نمونہ ہیں یہ کہانیاں تعلیمی، اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھیں اِن کہانیوں کا پلاٹ مکمل اور واضح ہے مختصر یہ کہ اُن کے ناول جتنے اچھے وعظ ہیں اُتنے اچھے قصے نہیں۔

اُسی زمانہ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار نے قصے لکھنا شروع کئے وہ اپنی مشہور تصنیف "فسانۂ آزاد" کے سبب سے مشہور ہوئے۔ یہ معیار پر پورا نہیں اُترتا اس کا کوئی پلاٹ نہیں پھر بھی تہذیب و معاشرت کی اچھی تصویر ہے۔ ناول کے ارتقاء کے سلسلہ میں شرر کا نام آنا بھی ضروری ہے اُن کی شہرت ایک ناول نگار کی حیثیت سے ہے۔ شرر کے ساتھ ساتھ اُردو ناول کے ارتقاء میں سجاد حسین اور راشد الخیری نے بھی حصہ لیا۔ سجاد حسین کے ناول کلچرل ہیں۔ مرزا رسوا پہلے ناول نگار ہیں جو معلم اخلاق ہونے کے علاوہ فنکار بھی ہیں۔ راشد الخیری کے ناول عورت کی مظلومیت کی داستان ہیں۔ منشی پریم چند نے اُردو ناول کو اچھی خاصی وسعت دی۔ اُن کے یہاں انتہائی وسیع

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے جتنی کائنات وہ غریبوں مظلوموں کے ہمدرد، کسانوں اور مزدوروں کے غمخوار کرشن کے جذبات میں دیہاتی زندگی کے مرقعے اُن کے ہاں کثرت سے ملتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اُس زمانے میں اردو ناول کو جو ترقی ہوئی اِس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کا اگلا دَور ناول کا دَور ہوگا۔

اردو ناول کے ارتقاء میں ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر لکھے گئے ناولوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِس تحریک کے زیرِ اثر "لندن کی ایک رات" ناول لکھا گیا جس کے مصنف سجاد ظہیر ہیں۔ یہ اردو ناول کے تیکنیکی ارتقاء میں ایک اہم موڑ کی نشاندہی کرتا ہے۔ کرشن چندر کا "شکست" بھی بڑی حد تک ترقی پسند ادب کی نمائندگی کرتا ہے جس میں کسانوں، مزدوروں اور سماج کے کمزور طبقات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ آزادی کے بعد پہلا بے حد اہم ناول "آگ کا دریا" قرۃ العین حیدر کا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کا ناول "ایک چادر میلی سی" ایک سماجی ناول ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
سرائی	کہنا	کثیف	گندہ	تعبیر	بیان کرنا
معلّم	اُستاد	رائج	جاری	مبہوت	حیران
شعور	عقل	کائنات	دُنیا	پرواز	اُڑان
عاقبت	آخرت	مصنوعی	بناوٹی	تلخ حقائق	ناگوار سچائی
آویزش	فساد	موشگافی	نکتہ چینی	تنوع	قسم قسم کا
اتصال	[illegible]	ارتقا	ترقی	مسحور	جس پر جادو کیا جائے
تفسیر	تشریح			بصیرت	دانائی۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

6۔ تشریح کیجئے:۔ صفحہ نمبر 253۔

اب اچھے اچھے افسانہ نگار۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناول کا دور ہوگا۔

یہ عبارت "اردو ناول کا ارتقاء" مضمون سے لی گئی ہے جس کو پروفیسر آل احمد سرور نے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں کہ جو افسانہ نگار پہلے افسانے لکھتے تھے وہ اب ناول لکھنے کی طرف رجوع ہوگئے ہیں اور انہوں نے اچھے اچھے ناول بھی لکھے ہیں۔ اُن میں سے سجاد ظہیر کا ناول" لندن کی ایک رات"۔ کرشن چندر کا "شکست" عزیز احمد کا "گریز" اور عصمت چغتائی کا "ٹیڑھی لکیر" بہت مشہور اور بلند پایہ کی چیزیں ہیں۔ یہ سب ناول مغرب کے زیر اثر لکھے گئے ہیں۔ گریز اور ٹیڑھی لکیر پر موجودہ انقلابی دور میں زندگی کی اچھی اچھی قدریں نہیں ملتیں اور نہ ہی نئی قدروں کو ابھرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اسی وجہ سے ادب میں وہ مضبوطی اور وسعت نہیں جو بڑے ادب کی پیدائش کے لئے موافق ہو۔ اردو میں اس طرح بھی نثر نظم کے بعد لکھی جانے لگی ہے لیکن پھر بھی اس دور میں نثر کی جو ترقی ہوئی ہے اس سے یہ خیال پختہ ہوگیا ہے کہ اگلا دور ناول کا دور ہوگا۔

9۔ محلے کی ہولی

اطہر پرویز

پیدائش:۔ 25 ستمبر 1922ء

اطہر پرویز 25 ستمبر 1922ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن سیوہارہ ضلع بجنور ہے۔ ابتدائی تعلیم پہلے مدرسہ میں ہوئی جہاں اردو کے ساتھ ساتھ قرآن شریف گلستان اور بوستان پڑھی۔ کرسچین کالج الہ آباد سے ایف۔اے پاس کرنے کے بعد 1941ء میں علیگڑھ آئے یہاں سے 1945ء میں فارسی میں ایم۔اے پاس کیا۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

یونیورسٹی چھوڑنے سے ہی سیاسی زندگی اختیار کی اور صوبہ متوسط میں کئی سال

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قیام رہا۔ 1950ء تک کل وقتی سیاسی کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اسی درمیان میں جیل کی زندگی بھی گزاری اور زندگی کو بہت قریب سے دیکھا۔ 1950ء میں دہلی آگئے اور جامعہ کے بچوں کے رسالے پیام تعلیم کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ 1956ء میں وہاں سے مستعفی ہو کر علیگڑھ آگئے۔ 1958ء میں اردو میں ایم۔اے کیا۔ اور 1959ء میں جنرل ایجوکیشن میں لیکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

بچوں اور کم پڑھے لکھے بالغوں کے لئے متعدد کتابیں لکھیں۔ جن میں سے آٹھ کتابوں پر حکومت ہند نے انعامات دئے۔ بڑوں کے لئے ادب سے متعلق ایک کتاب لکھی "ادب کا مطالعہ"۔ اس پر حکومت اتر پردیش سے انعام ملا۔ اور یہ کتاب مختلف درس گاہوں میں نصاب کے طور پر رائج ہے اب تک کم و بیش دو درجن کتابیں لکھی ہیں۔

آپ کو ڈراموں سے خاص طور پر دلچسپی ہے آپ نے متعدد ڈرامے لکھے جو وقتاً فوقتاً سٹیج ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں اردو کی ایک کتاب "فسانۂ عجائب" کو مرتب کیا ہے۔

"محلے کی ہولی" کے اہم کردار

محلے کی ہولی کے اہم کردار سوتر دھار، نٹی، لالہ تیج رام، شہباز خان، سوشیلا، خالدہ، میر صاحب، غیرہ ہیں۔ اس ڈرامہ میں پانچ سین ہیں۔

پہلا سین:- پہلے سین میں سوتردھار اور نٹی کی گفتگو ہے۔ سوتردھار پنڈت جواہر لال نہرو کی وصیت پڑھ رہے ہیں۔ گنگا تو بھارت کی خاص ندی ہے۔ یہ ہندوستان کی پرانی تہذیب کی نشانی ہے۔ اس سے بھارت کی قدیم تہذیب وابستہ ہے جو آج تک بہتی ہوئی آتی ہے اور جو زمانۂ حال میں سے گزرتی ہوئی مستقبل کے مہاساگر کی طرف بہتی چلی جا رہی ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نٹی تیزی سے اندر داخل ہوتی ہے۔ ارے! یہ کیا گیتا کا پاٹھ ہو رہا ہے۔ مہمان ڈرامہ دیکھنے آ رہے ہیں۔ اور تم وصیت کا پاٹھ پڑھ رہے ہو۔

سوتر دھار کہتا ہے۔ حاضرین! آپ نے ٹیگور کی کتاب "گریٹر انڈیا" میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان کی تہذیب ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیب ہے۔ ہولی بھی اسی تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ خان صاحب کی عورتیں لالہ صاحب کی عورتوں سے ملنے آتی ہیں۔ پہلا سین ختم۔

دوسرا سین

دوسرے سین میں لالہ تیجرام کی بیوی لالہ جی کو وہ سویٹر دیتی ہیں جو خان صاحب کی بیٹی خالدہ نے لالہ صاحب کے لئے بنایا ہے۔ اتنے میں میر صاحب آتے ہیں۔ لالہ صاحب سے شہباز کی شکائیت کرتے ہیں کہ وہ میرے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتا ہے۔ اتنے میں حافظ جی بھی آجاتے ہیں۔ حافظ اور میر دونوں خانصاحب کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ لالہ جی کہتے ہیں وہ بڑا شریف آدمی ہے۔ لالہ جی خانصاحب کے خلاف کچھ سُننا نہیں چاہتے۔ اندر چلے جاتے ہیں۔ اور دوسرا سین ختم ہو جاتا ہے۔

تیسرا سین

تیسرے سین میں لالہ جی اپنی بیوی سے خانصاحب کا لگایا ہوا الزام سُناتے ہیں۔ میر صاحب کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ خانصاحب کہتے ہیں لالہ جی کے گھر کا آدھا خرچہ میں برداشت کرتا ہوں۔ بیوی یقین کر لیتی ہے لیکن اُس کی بیٹی سوشیلا کہتی ہے یہ کسی کی لگائی بجھائی ہے خانصاحب ایسے آدمی نہیں ہیں۔ اتنے میں پنڈت جی داخل ہوتے ہیں لالہ جی سے کہتے ہیں آپ ہولی کمیٹی کے سکریٹری ہیں چلئے! ہولی کے لئے چندہ جمع کریں۔ آپ تیار ہوئے ہیں خانصاحب کو بلاتے ہیں۔ لالہ جی پنڈت جی کو منع کرتے ہیں۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور دو جر تباتے ہیں تیسرا سین ختم

چوتھا سین

چوتھے سین میں اسٹیج پر لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہے۔ سوتر دھار کہتا ہے کہ ہمارے اصل ایکٹر خان صاحب اور لالہ جی میں جھگڑا ہو گیا ہے لالہ جی نے خانصاحب سے چندہ نہیں لیا۔ اتنے میں لالہ جی کے گھر کی عورتیں آتی ہیں ادھر سے خانصاحب کے گھر کی عورتیں آتی ہیں وہ منہ پھیر کر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر چلی جاتی ہیں۔ اتنے میں لالہ جی اور میر صاحب داخل ہوتے ہیں۔ میر صاحب خان صاحب کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ لالہ جی کہتے ہیں میں نے خانصاحب سے چندہ نہیں لیا۔ اتنے میں خانصاحب آ جاتے ہیں۔ غصے میں کہتے ہیں یہ محلے کی ہولی ہے لالہ جی کے گھر کی؟ پنڈت رام سرن فیصلہ کراتا ہے۔ ہولی جلتی ہے۔ ہولی نہیں ہے۔ چوتھا سین ختم۔

پانچواں سین

پانچویں سین میں لالہ جی کے گھر میں لالہ جی کی عورتیں اور خانصاحب کی عورتیں گلے مل رہی ہیں اور ایک دوسرے کے آنسو پونچھ رہی ہیں۔ لالہ جی باہر نکلتے ہیں تو ٹھاکر گوبند سنگھ اور خان صاحب ملتے ہیں۔ خانصاحب اور لالہ جی گلے ملتے ہیں۔ پردہ گرتا ہے اور پانچویں سین بھی ختم ہو جاتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
جنتا	لوگ	دشت	بیابانی	طے ہوا	فیصلہ ہوا
سمے	وقت	پکنک	تفریح	ہتھکنڈوں	چالاکی
حمائتی	ساتھی	چت کر دیا	مار دیا	لنگوٹیا	بچپن کا یار

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
لگائی بجھائی	جھگڑا اُٹھانا	سمبندھ	تعلق	بکھرے ہوئے	جوش میں آئے ہوئے
گھات	داؤ	ذلیل	بدنام	ساعت	گھڑی
چنگاری ڈالنا	لڑائی کرنا	پہیلیاں	بجھارتیں	قومی یک جہتی	قومی ایکتا
پٹخنی	زمین پردے مارنا	چپت لگانا	تھپڑ مارنا	—	—

6۔ تشریح کیجئے۔ صفحہ نمبر 260۔

شاعرِ اعظم ٹیگور نے ....۔ زندگی بسر کرنا ہے۔

یہ عبارت "محلے کی ہولی" ڈرامہ سے لی گئی ہے جس کو اطہر پرویز نے لکھا ہے وہ سوتردھار کی زبان سے کہلواتے ہیں کہ شری رابندرناتھ ٹیگور نے اپنی کتاب "گریٹر انڈیا" میں بہت ہی صحیح بات لکھی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ صرف ہندوؤں کی ہی تاریخ نہیں ہے بلکہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تاریخ ہے جس میں دونوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ ان کی تہذیب، تمدن، معاشرت اور رسم و رواج مشترک ہیں۔ انگریزوں نے بھی ہندوستان کی تاریخ میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ ہندوستان کسی ایک مذہب یا نسل کی جاگیر نہیں ہے۔ یہاں تمام مذاہب یعنی "ہندو مسلم سکھ عیسائی" مل جل کر امن اور محبت سے رہتے ہیں۔ "محلے کی ہولی" بھی اسی تہذیب کی ایک کڑی ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جوابِ مضمون

انشاء

س۔ مضمون نگاری کسے کہتے ہیں؟ ہم مضمون کیسے لکھیں؟

ج۔ مضمون نگاری اُس فن کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے ہم اپنے دِل کے خیالات اور دِلی مطالب کو صاف اور صحیح زبان میں بذریعہ تحریر ظاہر کر سکیں۔ مضمون لکھنا، ہم وادب کا ایک خاص اور ضروری حصّہ ہے۔

مضمون نگاری کے ذریعہ ہی سے انسان اپنے علم ادب، تمدّن، معاشرت، تہذیب، رسم ورواج، کلچر، ملکی حالات، تاریخ، مذہب غرضیکہ ہر قسم کی معلومات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

ہر ایک طالب علم کو امتحان میں کامیاب ہونے کی غرض سے اُردو میں مضمون لکھنے کی کچھ نہ کچھ مشق ضرور کرنا پڑتی ہے۔ مضمون لکھنا ایک قسم کی دماغی ورزش ہے جو شخص یہ محنت کرتا ہے وہ اچھے اچھے مضمون لکھ سکتا ہے۔ اس لئے طلباء کو اپنے خیالات اور تاثرات کو نہایت اچھے اور موزون الفاظ میں ادا کرنے کی لگاتار کوشش کرنا چاہیئے۔ اُنہیں اپنے خیالات کو ترتیب دیتے وقت تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے:-

۱۔ تمہید:- اس کا مقصد صرف مضمون کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے۔

۲۔ نفسِ مضمون کی تقسیم اور ترتیب:- اس میں اپنے ذاتی مشاہدات، قابلیت

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور مختلف کتب کے مطالعہ سے جو ذخیرہ اپنے پاس جمع ہوتا ہے اُسے صاف اور سادہ عبارت میں ترتیب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

۳۔ خاتمہ:۔ خاتمہ معنی خیز اور مؤثر انداز میں لکھا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والے پر اُس کا اچھا اثر پڑے۔

مضامین کی تین قسمیں ہیں

۱۔ بیانیہ:۔ اس میں گذشتہ واقعات یا کسی شخص کی زندگی کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً پہلی جنگ آزادی، مہاراجہ اشوک، اکبر اعظم اور مہاتما گاندھی وغیرہ۔

۲۔ تعریفیہ:۔ اس میں مختلف اشیأ کی تعریف کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کتا، صبح کا منظر، موسم بہار، کشمیر کے نظارے وغیرہ۔

۳۔ تفکریہ یا تخیلیہ:۔ اس مضمون میں اپنے خیالات کی تشریح کے بعد اس کے فائدے اور نقصانات معہ دلائل کے لکھے جاتے ہیں۔ مثلاً سائنس کے فائدے اور زندگی وغیرہ۔

اے بچو! ؎ گلدستۂ مضمون کو اس ڈھنگ سے باندھو
اک رنگ کا مضمون ہو سو رنگ سے باندھو

؎ تخیُل کی بلندی اور ترتیب اچھی ہو
ہر اک مضمون کی رنگت نئی ترکیب اچھی ہو

انشاپردازی یا مضمون نویسی ایک قسم کی دماغی ورزش ہے جو شخص یہ ورزش کرتا ہے وہ ضرور انشأپرداز بن سکتا ہے۔ ہمارے دلوں میں یہ خیال جم گیا ہے کہ انشأ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پردازی ایک قدرتی عطیہ ہے لیکن ہمارا یہ خیال غلط ہے۔

انشاپردازی ایک فنِ لطیف ہے اور یہ اُن لوگوں کا جائز ورثہ ہے جو اپنے خیالات و تاثرات کو نہایت اچھے اور موزون الفاظ میں ادا کرنے کی مسلسل کوشش جاری رکھتے ہیں۔

میرے خیال میں مضمون نویسی سکھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اُستاد جس موضوع پر مضمون لکھوانا چاہے پہلے خود اُس کا اچھی طرح مطالعہ کرے۔ ضروری نکات ترتیب وار اپنے ذہن میں یا کسی کاغذ کے پُرزے پر محفوظ رکھے۔ پھر طلباء کے سامنے نہایت دلچسپ انداز میں ہر نکتہ پر بحث کرے اس طریقہ سے طالب علم ہر مضمون کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے خیالات کا اظہار کامیابی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ انشاپردازی سیکھنے اور اُس کے شوق کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع مطالعہ کیا جائے۔

علمی و ادبی مضامین سے متعلق

علمی و ادبی اعتبار سے اپنے خیالات کو دلکش پیرایہ میں لکھنا ایک نہایت اہم علمی و ادبی خدمت ہے اور اس خدمت کو انجام دینا اہلِ علم کے لئے نہایت ضروری ہے۔

مضمون نگاری علم و ادب کا ایک نہایت اہم جزو اور خاص فن ہے اسی فن کے ذریعہ سے انسان اپنی علمی و ادبی، تمدنی و معاشرتی، مذہبی و تاریخی اور ہر قسم کی معلومات کو دوسروں تک پہنچا سکتا ہے اگر انسان کو لکھنے کا اچھا سلیقہ ہو تو وہ اپنے خیالات کو ایسے مؤثر انداز میں پیش کر سکتا ہے کہ جس سے پڑھنے والے کے دل متاثر ہو جائیں۔ اور یہی لکھنے والے کی کامیابی کا ثبوت ہے۔

ادبی نقطۂ نظر سے فن انشاپردازی بہت کارآمد ہے۔ اچھے مضامین کی علمی دنیا میں قدر ہوتی ہے۔ ادبی مضامین اخبارات اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے پڑھنے سے ادبی ذوق بڑھتا ہے اور لوگوں میں ادبی مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ادب اور زندگی

ادب یعنی لٹریچر کا ہماری زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے جس طرح ہماری زندگی ہر وقت بدلتی رہتی ہے اسی طرح ہر وقت ادب کا بہاؤ بھی بدلتا رہتا ہے۔

آج کی ہماری زندگی کل سے مختلف ہے لیکن اتنی مختلف نہیں کہ کل کی اور آج کی زندگی میں کوئی اتحاد کی کڑی ہی نہ ہو۔ یہی حالت لٹریچر کی ہوتی ہے کسی ملک قوم یا زبان کا لٹریچر اگرچہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے لیکن اس میں اچانک ایسی کوئی تبدیلی نہیں آتی جس سے آج کے لٹریچر کا کل کے لٹریچر سے کوئی تعلق ہی نہ رہے۔ اس طرح لٹریچر کئی حالتوں میں ہماری زندگی کے مشابہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ لٹریچر کا ہماری زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

عام حالتوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ لٹریچر کی بھی ترقی ہوتی جاتی ہے اور اس کے برعکس جونہی زندگی میں تنزل آتا ہے لٹریچر بھی گرتا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ زندگی کا لٹریچر پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

اسی طرح لٹریچر کا بھی زندگی پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ اگر کسی قوم کا لٹریچر بہت اچھا ہو تو وہ قوم کسی نہ کسی دن ضرور ترقی کر جاتی ہے جس قوم میں عمدہ لٹریچر پیدا ہو جائے گا۔ اس کی ترقی کا راستہ خود بخود کھل جائے گا۔

اہل ادب نے عام طور پر یہ اصول قائم کر دیا ہے کہ زندگی کی ترقی کے ساتھ ادب کی ترقی ہوتی ہے اور لوگوں کے تنزل کے ساتھ ادب کا تنزل ہوتا ہے۔

غالب کے کلام میں اُس زمانہ کے عوام کی زندگی کی نمایاں جھلک دکھائی دیتی ہے شیکسپیئر، کالیداس، فردوسی اور منشی پریم چند وغیرہ بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے انسانی زندگی کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا۔ انسان نے فطرت کے اونچ نیچ کو بغور دیکھا۔ تب کہیں جا کر اپنے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

زمانے کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے رکھ سکے۔

ہر ایک قسم کا لٹریچر انسان کے لئے فائدہ مند ہو سکتا ہے اور انسانی زندگی کے معیار کو سُدھار سکتا ہے بشرطیکہ اُس لٹریچر کو پیدا کرنے والا انسان مسائل کو ٹھیک ٹھیک سمجھتا ہو۔

ادب کا زندگی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ زندگی کے بہاؤ کو بدلنے میں ادب کا بھاری ہاتھ ہے زندگی کو بنانے اور بگاڑنے میں ادب اپنا حصہ ادا کرتا ہے جس ادب کا ہماری زندگی کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے وہ واقعی ہمارے لئے سب سے زیادہ عزیز چیز ہے جو لوگ اپنے اچھے ادب سے محبت کرتے ہیں وہ زندگی سے محبت کرتے ہیں۔

اُردو ہماری قومی زبان

جب سے ہندوستان میں سیاسی بیداری اور قومی احساس پیدا ہوا ہے عوام میں اس بات کا بہت چرچا ہے کہ ہمارے ملک میں کسی ایسی زبان کو اس قدر ترقی دینی چاہیئے کہ وہ ہر صوبے میں بولی اور سمجھی جا سکے۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد ابھی تک ہندوستان کی ایک قومی زبان نہ بن سکی۔ ہندوستان کے ہر صوبے میں مختلف زبانیں رائج ہونے سے جو نقصان ہماری تہذیب و تمدن کو پہنچا دہی صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی میں بھی سنگِ گراں ثابت ہو رہا ہے۔ زبان کے اختلاف سے ملکی تجارت نقصان اُٹھا رہی ہے۔

جب تک ہندوستان میں ایک قومی زبان رائج نہ ہو گی بحیثیت مجموعی تجارت کو بھی فروغ حاصل نہیں ہو سکتا اگر ہر کسی صوبے میں علمی، ادبی یا سائنٹیفک تحقیقات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو مشترکہ زبان نہ ہونے سے جن دقتوں کا سامنا ہوتا ہے اس سے ہر تعلیم یافتہ شخص ضرور واقف ہے۔ ہندوستان ایک بہت وسیع ملک ہے اس میں مختلف قومیں اور متعدد نسلیں آباد ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قومیت، نسل اور مذہب کی تفریق سے یہاں زبانیں بھی مختلف بولی جاتی ہیں۔ ان حالات میں یہ کوشش کرنا کہ سارے ملک میں ایک زبان بولی جائے بڑے معرکے کا کام ہے لیکن خوش قسمتی سے یہ مسئلہ جس قدر پیچیدہ اور الجھا ہوا معلوم ہوتا ہے اس کا حل اس قدر دشوار نہیں۔

اگر یورپ کے لوگ اپنے علیحدہ علیحدہ حکومتوں والے ملک میں ایک بالکل نئی اور مشترکہ زبان اسپرانٹو کے نام سے پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو اس کے مقابلے میں ہندوستان کے لئے یقیناً یہ کوئی مشکل بات نہیں کہ وہ اپنی دیسی رائج الوقت زبانوں میں سے کوئی ایک ایسی زبان انتخاب کرلے جو تمام ملک میں بولی اور سمجھی جائے اور قومی زبان کہلائے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ زبانوں میں سے انتخاب کا فخر اسی زبان کو حاصل ہو سکتا ہے جو اس وقت زیادہ سے زیادہ رقبے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے

صوبائی زبانوں کے انتخاب میں اگر ہم قومی زبان بنانے کا انتخاب کریں تو سوائے اردو زبان کے ہماری نظر دوسری زبانوں پر نہیں پڑتی۔ حقیقتاً یہی وہ زبان ہے جو ہندو مسلمانوں میں یکساں محبوبیت حاصل کر چکی ہے۔ اردو ہی وہ زبان ہے جو ہندوستان اور غیر ممالک میں تقریباً ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے الفاظ اپنی زبان میں اس طرح جذب کر لیتی ہے کہ اُس کی اپنی زبان کے لفظ معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی زبانوں میں اردو ہی اس قابل ہے کہ اس میں تمام مطالب آسانی سے ادا ہو سکتے ہیں۔ ہر صوبائی زبان کے محاورات اور الفاظ اس میں اس خوبصورتی سے پیوستہ ہیں کہ اس کا بولنا اور سمجھنا اور بھی آسان ہو گیا ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس نے متفقہ طور پر یہ قرار دیا کہ وہ زبان جو ہندوستان میں قومی زبان ہونے کا فخر حاصل کر سکتی ہے ہندی اور اردو کے بین بین ہونی چاہیئے نہ وہ اردو جو فارسی اور عربی

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کے الفاظ سے بھرپور ہو اور نہ وہ ہندی جو ٹھیٹھ اور سنسکرت الفاظ سے بھری ہو بلکہ ان دونوں زبانوں کے میل جول سے ایک سان بنے جو ہندوستان کی قومی زبان ہو۔

اُردو انشاء پردازی

دُنیا میں ہر شخص کوئی نہ کوئی وصف لے کر آیا ہے اور وہ اپنے مخصوص اوصاف سے دوسروں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ضرور پہنچاتا ہے ہمارے جن مضمون نگاروں کو انشاء پردازی کا وصف عطا ہوا ہے وہ اپنے زورِ قلم سے زندگی کے رُوحانی اور جمالی شعبوں کو چمکاتے ہیں۔

انشاء پرداز کسی موضوع سے متعلق اپنے تاثرات کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے گویا انشاء پرداز کی حیثیت ایک مصوّر کی سی ہے لیکن مصوّر اور انشاء پرداز میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ انشاء پرداز کسی چیز کے انہی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے جو اُس کے دل و دماغ کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انشاء پردازی محض الفاظ کا گورکھ دھندا یا خیالات کا زرین جال ہے۔ انشاء پردازی ایک قسم کی دماغی ورزش ہے جو شخص یہ ریاضت کرتا ہے وہ ضرور انشاء پرداز بن جاتا ہے۔ انشاء پردازی ایک فنِ لطیف ہے اور یہ اُن لوگوں کا جائز ورثہ ہے جو اپنے خیالات اور تاثرات کو نہائت اچھے اور موزون الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش مسلسل جاری رکھتے ہیں۔ کئی لوگوں کے دلوں میں یہ غلط خیال مستحکم ہو گیا ہے کہ انشاء پردازی ایک قدرتی عطیہ ہے اور وہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اہلِ زبان کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس خیال کی بدولت ہمارے ملک میں روز بروز اچھے انشاء پردازوں کی کمی واقع ہو رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اب نہ تو پہلے جیسے باکمال انشاء پرداز پیدا ہوتے ہیں اور نہ آج کل کے انشاء پردازوں کی تحریروں میں پرانے انشاء پردازوں کی تحریروں کا سا ادبی لُطف آتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

مولانا محمد حسین آزاد مرحوم اردو کے بہترین انشاء پرداز تھے وہ انشاء پردازی سے متعلق

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں " یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اگر باپ چاہے کہ بیٹے کو سکھا دوں اور اُس میں سیکھنے کا مادہ نہ ہو تو کچھ نہیں بتا سکتا۔"

انشاپردازی سیکھنے اور اُس کے شوق کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع مطالعہ کیا جائے۔ بلند پایہ مصنفین کے عمدہ مضامین اُن کا دلنشین انداز بیان، برجستہ محاورات اور دلپذیر طرز تحریر کو اپنے دماغ میں محفوظ رکھنے سے بھی خاطر خواہ فائدہ ہو سکتا ہے اگر کسی انشاپرداز کا کوئی مضمون پسند آئے تو پہلے اُسے اچھی طرح ذہن نشین کیا جائے پھر اُس کو دل ہی دل میں دہرایا جائے انشاپرداز کے لئے یکسوئی اور اطمینان قلب کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

زبان اُردو کی تاریخ

اُردو زبان کا ماخذ برج بھاشا ہے۔ برج بھاشا خالص ہندوستانی زبان ہے قدیم ہندوستان میں بھی آج کل کی طرح ہر قطعہ اور ہر ضلع میں زبان الگ الگ تھی جب وسط ایشیا سے آرین قوم نے ہندوستان کا رُخ کیا تو یہاں کے اصلی باشندوں میں سے کچھ لوگ لڑائی پر آمادہ ہوئے کچھ بھاگ نکلے اور باقی جو پکڑے گئے وہ آریہ قوم کے خدمتگار بن کر شودر کہلائے۔

ایران کی قدیم تاریخ ہندوستان کی تاریخ سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایرانی اور ہندوستانی آپس میں مل گئے ہوں گے۔ آریہ قوم جب ذات پات کی قیود عائد کر چکی تو اُسے خیال پیدا ہوا کہ شودروں کے ساتھ اُن کے دن رات کے لین دین، رہن سہن اور بول چال سے اکابر کی زبان دوغلی ہو جائے گی اس لئے اپنی زبان مخصوص کر دی اور اس کا نام سنسکرت یعنی زبانِ الٰہی رکھا۔ یہ قانون نافذ ہوا کہ اس زبان کا کوئی لفظ شودر کے کان میں نہ پڑے۔ شودروں یعنی غیر شائستہ لوگوں کی زبان پراکرت کہلائی۔ دراصل پراکرت سنسکرت ہی کی بیٹی ہے کیونکہ یہ اُسی کی گود میں پروان چڑھی گو تو بچپنے پراکرت دبی میں ہی اپنے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مذہب کا پرچار شروع کیا۔ راجہ بھوج کے عہد میں پنڈتوں کی کاروباری زبان بھی پراکرت ہوگئی۔

شنکر آچارج نے بکرماجیت کے عہد میں سنسکرت کے مُردہ جسم میں دوبارہ جان ڈالی لیکن عوام کی زبان پراکرت ہی رہی۔ کالیداس کے ناٹک شکنتلا سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ، اُمرا اور پنڈت سنسکرت میں گفتگو کرتے تھے اور عوام پراکرت میں۔ گیارہویں صدی عیسوی تک یعنی راجہ بھرت کے عہد میں برج کے سبزہ زار کی وہ زبان تھی جو موجودہ برج بھاشا کی اصل ہے۔ سنسکرت اُس وقت بھی علمی اور ادبی زبان تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے جھنڈے ہندوستان کی سرزمین میں گاڑے تو زبان میں بھی انقلاب آنا شروع ہوا۔

سنسکرت اور ایرانی۔ ایرین کے رشتہ سے ایک دادا کی اولاد ہیں ہندوستان میں جو مسلمان آئے وہ رائج الوقت ایرانی بولتے ہوئے آئے تھے لیکن آٹھ پہر کے ملاپ نے مجبور کر دیا کہ مطالب ادا کرنے کو ملا جلا کر ایک دوسرے کی زبان کے لفظ بولیں۔ اس طرح دونوں قوموں کے ارتباط سے ایک نئی زبان پیدا ہوگئی۔ اور اسے مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا۔ مثلاً لشکری، ہندوستانی، ریختہ وغیرہ کیونکہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے۔ جیسے دیوار کو مٹی، چونا اور اینٹ سے ریختہ کرتے ہیں اردو میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اس لئے ریختہ نام پایا۔

شاہجہان کے عہد میں جب دلی دارالخلافہ بنا اور وہاں دیس دیس کے لوگ جمع ہوئے اُس وقت اگرچہ اُردو کی پیدائش ہو چکی تھی البتہ شاہجہان کے دربار میں اُس کا نام "اُردوئے معلےٰ" رکھا گیا۔ یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے حقیقت یہ ہے کہ اردو ہندوں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اور یہ زبان ان دونوں کی مشترکہ کوششوں سے وجود میں آئی۔

اُردو ادب میں جہاں مسلمان ادیبوں اور شاعروں کے شہ پارے ہیں وہاں ہندو اہلِ قلم

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کے فن پارے بھی ہیں۔ پریم چند، رتن ناتھ سرشار، چکبست، نسیم، فراق، جگن ناتھ آزاد وغیرہ نے بھی اردو کے پودے کی اسی طرح آبیاری کی ہے جس طرح مسلمان ادیبوں اور شعرائے نے کی۔

علم کی اہمیت

علم ایک ایسا نور ہے جس سے جہالت اور گمراہی کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ انسان نیکی اور بدی، حق اور باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ علم ایک ایسا خزانہ ہے جس کو چور چرا نہیں سکتا بلکہ علم کو جتنا خرچ کرو اتنا زیادہ بڑھتا ہے۔

ہے سعادت، سیاحت، عبادت ہے علم
حکومت ہے، دولت ہے، طاقت ہے علم

علم دنیا میں ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ ایک لازوال دولت ہے۔ جسے اس عالم فانی میں بجا طور پر ایک باقی رہنے والی چیز کہا جا سکتا ہے۔

علم ہی سے انسان اپنے خالق کو پہچانتا ہے، علم ہی سے اپنی زندگی کا مقصد سمجھ سکتا ہے۔ علم ہی سے اُن حقوق و فرائض سے آگاہ ہو سکتا ہے جو خود اُس کے نفس سے متعلق، والدین سے متعلق، دوست و احباب سے متعلق اور تمام مخلوقات سے متعلق اُس پر عائد ہوتے ہیں۔ علم کے بغیر ہم خدا کو بھی نہیں پہچان سکتے ہیں۔

علم کی بدولت ہی انسان نے بجلی پر قابو پا کر اسے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ سائنس کی جس قدر نئی نئی ایجادیں ہو رہی ہیں سب علم ہی کی بدولت ہیں۔ علم بڑی دولت ہے اس کی بدولت ہم میں صبر و استقلال کا مادہ پیدا ہوتا ہے غرض علم انسان کا ایک بہترین زیور ہے۔

عالم کو چاہیئے کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے کیونکہ اس سے اُس کا علم اور زیادہ وسیع ہو گا۔ جو سیکھو کسی کو سکھاتے چلو

دیئے سے دیئے کو جلاتے چلو

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

علم کے معنی ہیں جاننا۔ یا کسی چیز کی حقیقت کا دریافت کرنا۔ علم حاصل کرنے کا یہ مدعا ہے کہ انسان اپنے انسانی فرائض سے اچھی طرح واقف ہو اور ہر چیز کی حقیقت کو پہچان سکے۔

انسان علم کے پروں سے آسمان پہ اُڑ سکتا ہے۔ سمندروں کی عمیق گہرائیوں میں غوطہ لگا سکتا ہے اور پہاڑوں کے سینوں کو چیر پھاڑ کر مختلف قسم کی معدنیات نکال لاتا ہے۔ علم انسان کے کمینہ پن۔ اوچھاپن، غرور، لالچ، خودغرضی، گستاخی، بیوقوفی، جہالت، بے ہودگی اور توہم پرستی کو جڑ سے اُکھاڑ دیتا ہے۔

انسان کی تمام جسمانی اور رُوحانی بیماریوں کا واحد علاج علم ہی ہے۔ اس سے انسان اپنے نقائص کو دُور کر سکتا ہے اور اپنے گناہوں کی دُرستی کر سکتا ہے۔ علم کے ذریعہ سے ہی ہم بُری رسموں کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ۔

ع۔ بے علم نتوان خدا را شناخت

بغیر علم کے انسان خدا کو پہچاننے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔

اس لئے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی جسمانی نشو ونما کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت کا بھی خیال رکھے جسے دوسرے لفظوں میں ہم اسے مفید اور بہترین تعلیم دلانا کہہ سکتے ہیں۔ والدین کو سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے اُن کے ذمے بچوں کی تعلیم و تربیت کا ایک نہائیت اہم فرض لگا رکھا ہے اور وہ اس کے جوابدہ ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ بچوں کو نیک راستوں پر چلائیں یہ سب چیزیں علم کے ذریعہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ بچوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دلائیں۔

غزل کی مقبولیت

اُردو میں سب سے مشہور صنف سخن غزل ہے۔ اس کا رنگ زیادہ تر عاشقانہ یا

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

صوفیانہ ہوتا ہے۔ قدیم شعرائے کے کلام میں غزل صوفیانہ رنگ میں ملتی ہے۔ تمام اصنافِ نظم میں غزل سب سے حسین اور دلکش قسم ہے۔ اس لئے کہ غزل کا تعلق جذبات اور احساسات سے ہے۔ غم والم، مسرور و انبساط اور عشق و محبت سے غزل کا خمیر تیار ہوتا ہے۔

جو شعراء وسیع مشاہدہ، صحیح تخیل، بلند نگاہ اور ذوقِ سلیم رکھتے ہیں کامیاب غزل گو ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ صحیح جذبات اور سچے معاملات، فطری تخیل، مؤثر انداز، درست ترکیبیں اور چست بندشیں، حسن و ادا، ندرتِ بیان، شیریں الفاظ اور عشق و محبت غزل کے عناصرِ ترکیبی ہیں۔ ہمارے قدیم شعراء صوفی منش بزرگ تھے شاہ حاتم، میر درد، میر تقی میر، سودا اور ان کے ہمعصروں کے کلام میں تصوف کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ چونکہ فارسی شاعری میں تصوف بھرا ہوا تھا۔ اس لئے اردو شعراء نے اس رنگ کو اختیار کر لیا۔

غزل کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا ہے۔ اس میں چند اشعار ہوتے ہیں اور ہر شعر اپنے رنگ میں مکمل ہوتا ہے۔ ہر شعر میں اپنا الگ الگ فلسفہ بیان کیا جاتا ہے۔

غزل اردو شاعری کی جان ہے اور اصنافِ شاعری میں سب سے سہل اور زیادہ کام آنے والی چیز ہے۔ اس میں عاشقانہ رنگ اور تصوف، اہلِ دربار کی عیش پرستی فارسی شاعری کے تتبع کی بدولت آیا ہے۔

عام طور پر غزلیں عاشق کی حرماں نصیبی، وصل کی جستجو، معشوق کے جور و جفا، گل و بلبل کے راز و نیاز، عاشق کے وحشت و جنون، معشوق کے حسن کی تعریفیں، باغ و بہار کے مناظر، شراب کی تعریف و طلب، رقیبوں کے شکوے وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔

غزل کی ملنساری اور رواداری نے حسن و عشق کے میدان سے آگے قدم بڑھایا اور اخلاقی، فلسفہ، تصوف، سیاست، وطنیت، انقلابی وغیرہ ہر قسم کے مضامین کو اپنے اندر جگہ دی اور

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

انہیں پر بس نہیں۔ عام اجازت دے دی کہ جس قسم کا مضمون بھی غزل میں کھپایا جا سکتا ہے لایا جائے۔

دورِ جدید میں غزل میں زبردست انقلاب پیدا ہوا ہے۔ شعرائے قدیم نے غزل کا دامن داغدار کر دیا تھا۔ شعرائے عصرِ حاضر نے متانت و لطافت، حقیقی و واقعی جذبات کو پھر سے غزل میں جگہ دی۔ اعلیٰ تعلیم نے خیالات کو وسعت بخشی۔ تہذیب و معاشرت میں انقلاب پیدا ہوا۔ سائنس اور فلسفۂ جدید سے رفعتِ فکر پیدا ہوئی۔ اب بجائے عاشقانہ رنگ کے غزلیں نیچرل، قومی، سیاسی، ملکی، فلسفۂ حیات، جذبات نگاری اور واقعیت پر لکھی جانے لگی ہیں۔

اُردو افسانہ نگاری اور مختصر افسانہ

قصّہ گوئی دنیا کا بہت قدیم فن ہے۔ کہانی کہنا اور سُننا انسان کا بہت قدیم اور دلچسپ مشغلہ رہا ہے انسان کے دل میں فطری طور پر افسانے اور قصّے سُننے کا شوق موجود ہے۔

زبان اُردو نے جب دُنیا کی زبانوں میں ایک مستقل حیثیت حاصل کر لی تو اس میں بھی افسانوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بہت سے قصّے فارسی، عربی اور سنسکرت سے اُردو میں ترجمہ ہوئے یہ قصّے کہانیاں اُس وقت کے ماحول کے مُطابق تھے۔

جدید افسانوی ادب کا آغاز صحیح معنوں میں منشی پریم چند سے ہوتا ہے۔ پریم چند اعلیٰ درجہ کے قصّہ گو اور کردار نگار ہیں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے گرد و پیش کو ایک عمیق اور بے تعصب نظر سے دیکھا ہے اور اپنی معاشرت کو گہری نظر سے دیکھا ہے۔ فنی لحاظ سے پریم چند کے افسانے نہایت مکمل نظر آتے ہیں۔ پریم چند کے تمام کردار زندگی اور حقیقت کے آئینہ دار ہوتے ہیں اُن کی دُنیا میں اچھے اور بُرے دونوں قسم کے لوگ ملتے ہیں۔ پریم چند نے اُردو افسانہ میں ہندوستان کی عوامی زندگی کو جس سلیقہ اور چابکدستی سے پیش کیا ہے اس کی نظیر اب تک نہیں ملتی۔ پریم چند کے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ساتھ اس دَور میں سلطان حیدر جوش، یلدرم اور نیاز فتحپوری کے نام قابل ذکر ہیں۔

یلدرم اور نیاز فتحپوری نے رومانی افسانے لکھے، آج حقیقت پسندی کے دَور میں بھی اُن افسانوں کی ایک خاص قیمت ہے۔ اُردو نثر کو نئے اسالیب و لطیف احساسات کو کامیابی سے ادا کرنے کا سلیقہ اُردو زبان میں انہیں افسانہ نگاروں کا عطیہ ہے۔ یلدرم نے خیال کی رنگینی و لطافت اور زبان کی شاعرانہ سحر طرازیوں سے افسانوی فن میں ادبِ لطیف کا رنگ بہت اُبھار کر دیا ہے۔ ناول کی طرح افسانہ بھی ایک حقیقت پسندانہ صنف ہے۔ انسانی زندگی اور اسے بہتر بنانے کے لئے سماج اور فطرت کی طاقتوں سے انسان کی کشمکش اس کا موضوع ہے ناول کی طرح اِس میں بھی سماجی مسائل اور افراد کی ذہنی اور جذباتی الجھنوں کی ترجمانی ہے۔

افسانہ میں زندگی کے کسی ایک گوشے کسی ایک واقعہ یا کسی ایک نفسیاتی حقیقت کو مؤثر طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ ناول میں پھیلاؤ کی وجہ سے تفصیلات کی زیادہ گنجائش ہے لیکن افسانہ میں ہر بات اختصار اور اشاروں میں کہی جاتی ہے۔

سنہ 1935ء کے بعد سے اُردو مختصر افسانہ نے غیر معمولی ترقی کی۔ اور آج یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ مختصر افسانہ کو دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کی کہانیوں کے ساتھ مقابلہ میں بغیر کسی جھجک کے پیش کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دَور میں کتنے ہی افسانہ نگار ایسے ہیں جن کا وجود افسانہ کی عمارت کے لیے اہم ستون کا درجہ رکھتا ہے ان افسانہ نگاروں میں سرِ فہرست کرشن چندر ہیں۔ کرشن چندر نے اُردو افسانہ کو جو وزن اور وقار بخشا۔ وہ اب کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ کرشن چندر کی قوتِ مشاہدہ، جدتِ بیان اور سب سے بڑھ کر تشبیہات کی ندرت دُنیائے ادب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔

علی عباس حسینی نے دَورِ جدید کے افسانہ نگاروں میں ایک خاص امتیاز حاصل کر لیا ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نیاز فتحپوری کی تحریروں کا آغاز ادب لطیف اور افسانہ کی راہ سے ہوا۔ پریم چند نے اپنے فسانوں کے ذریعہ سے سماج کی اصلاح کا بہت بڑا فرض پورا کیا ہے۔ پریم چند ہی نے اصلی معنوں میں اردو ادب کو فنِ افسانہ نگاری بخشا۔ اگر پریم چند نے اردو افسانہ نگاری کو اتنی ترقی نہ دی ہوتی تو ترقی پسند افسانے کا یہ کامیاب دور تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

اردو ناول نویسی

اردو ادب میں ناول نگاری کی صنف مغرب اور مغربی ادب کے اثر کے تحت متعارف ہوئی اس صنف سے مشرقی ذہن نے اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ مطابقت پیدا کی کہ بہت ہی قلیل عرصہ میں اسے اعلیٰ ادبی مقام حاصل ہوگیا اور قابلِ اعتراف فن کاروں کی ایک بڑی تعداد عالم وجود میں آگئی۔

ناول انگریزی لفظ ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اردو ادب پر چھا گیا۔ ناول اور زندگی کا بہت گہرا باہمی تعلق ہے ناول نگار زندگی کے چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے اور زندگی کو دیکھنے کے بعد دو [illegible] کو بھی دکھاتا ہے۔

ناول میں زندگی کے مختلف تجربے اور مناظر ہوتے ہیں۔ واقعات کا سلسلہ ہوتا ہے پلاٹ کردار مکالمے، منظر نگاری اور زندگی کے فلسفہ کی جھلک ہوتی ہے جس طرح انگریزی ادب میں رچرڈسن ناول کا موجد کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں اردو ادب میں مولوی نذیر احمد کی کہانیوں کو ناول کا ابتدائی نمونہ مانا جاتا ہے۔ ان کے پلاٹ تعلیمی، مذہبی اور اخلاقی ہیں۔ اسی زمانہ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کا "فسانہ آزاد" اودھ پنچ میں چھپا۔ اسی ناول نے سرشار کو زندہ کردیا یہ ان کا سب سے کامیاب اور نمائندہ ناول ہے۔ فسانہ آزاد کا موضوع لکھنؤ میں جاگیردارانہ عہد کی زوال پذیر معاشرت ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو ناول نگاروں میں عبدالحلیم شررؔ پہلے ناول نگار ہیں جنہوں نے شعوری طور پر ناول نگاری کے فن کو سمجھنے، اپنانے اور برتنے کی کوشش کی ہے اور تاریخی ناول کا آغاز کیا۔ انہوں نے انگریزی ادب کا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر ہوئے تھے۔ شررؔ نے اپنے ناول نذیر احمد کی طرح اصلاحی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھے ہیں۔

اس کے بعد ناول نگاری میں رسواؔ کا نام آتا ہے۔ رسواؔ پہلے شخص ہیں جن کے ناولوں میں فن کا احساس اپنے پیش رؤوں کے مقابلے میں زیادہ نظر آتا ہے انہوں نے کئی ناول لکھے اور بہت سے ناولوں کے ترجمے بھی کئے لیکن اُن کے طبع زاد ناولوں میں "اُمراؤ جان ادا" سب سے بہتر اور مکمل ناول ہے۔

اس دور میں منشی پریم چند جو کہ اُردو کے بہت بڑے افسانہ نگار ہیں انہوں نے کئی اچھے ناول لکھے اور اس طرح اُردو ناول کو اچھی خاصی وسعت دی اس زمانے میں اُردو ناول کو جو ترقی ہوئی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو کا اگلا دور ناول کا دور ہوگا۔ منشی پریم چند کے ناولوں میں غریبوں، مظلوموں، کسانوں اور مزدوروں کے جذبات اور دیہاتی زندگی کے مرقعے ہیں۔ منشی پریم چند کی آمد اپنے ساتھ ایک نیا دور لائی انہوں نے پچھلی طرز کو قطعاً چھوڑ کر اپنے لئے ایک نیا راستہ نکالا۔ اُن کے ناول "ادب برائے زندگی" کو لیکر چلے۔ میدانِ عمل، گئودان، پردۂ مجاز وغیرہ اُن کے بہترین ناول ہیں۔

منشی پریم چند کے بعد جن ادیبوں نے اُردو ناول کی روایات اور اس کے فن کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے اُن میں کرشن چندر، قرۃ العین حیدر، سجاد ظہیر، راجندر سنگھ بیدی اور عزیز احمد کے نام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں نے اُردو ناولوں کو بدلتی ہوئی زندگی اور فن کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی ہے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اُردو ڈرامہ نویسی

ڈرامہ ایک غیر ملکی صنف ہے یہ انیسویں صدی کے درمیان میں اُردو ادب میں داخل ہوا۔ نقالی کا شوق انسان میں فطرتی ہے۔

اُردو کا سب سے پہلا ڈرامہ اندر سبھا ہے جسے ناسخ کے شاگرد امانت نے 1852ء میں تصنیف کیا یہ ڈرامہ واجد علی شاہ کے کہنے پر لکھا گیا۔ یہ ایک کامیڈی ہے جس میں گانا اور ناچ بھی ہے اس کا پلاٹ بہت معمولی ہے لیکن وہ شائع ہوتے ہی بے حد مقبول ہوا۔ اس کا ترجمہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ہوا۔ 1897ء میں جرمنی میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کے چالیس نسخے مختلف قسم کے موجود ہیں۔

اُردو ڈرامہ نگاروں میں آغا حشر کاشمیری کا درجہ بہت بلند ہے۔ وہ اپنے کیریکٹروں میں جذبات بہت کثرت سے دکھلاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے اُردو ڈرامہ کو بہت بلند کیا۔ شیکسپیر کے ڈراموں کو اس طرح اپنایا کہ مغربی ڈرامہ مشرقی قالب میں ڈھل گیا۔ زبان سنور گئی تحریر میں جذبے و فکر کا حسین امتزاج ہوا یعنی ایک معیاری رنگ ڈھنگ پیدا ہو گیا۔

آغا حشر نے شیکسپیرین ڈراموں کے علاوہ طبع زاد ڈرامے لکھ کر بھی عوام کی رائے جیت لی۔ المیہ اور طربیہ دونوں کے لکھنے کے انداز میں شدت کو دخل رہا جو عوام کے دل و دماغ پر گہرا اثر انداز ہوا۔

مدت تک آغا حشر کے بعد کوئی اعلیٰ تخلیق نہ ہو سکی نہ ہی جدت ہو پائی۔ 1905ء میں مولانا ظفر علی خان کا ڈرامہ "جنگ روس جاپان" "قومی بیداری" اور "قصہ حسن و عشق" لے کر عوام کے سامنے آیا۔ موضوع اگرچہ نیا تھا مگر روش پرانی ہی رہی۔

امراؤ علی کے ڈرامے "البرٹ بل" "نشتر" [illegible] پیش کیا۔ یہ ایک نیا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تجربہ تھا۔ منشی کشن چند زیبا کے "زخمی پنجاب" نے سیاسیات کا رنگ لیا یا اور "زود پشیماں" میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے ڈرامے کا رُخ سماجی پہلو پر موڑ دیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر نے تاریخ و مذہب کے رنگ میں ڈرامے لکھے۔

اب اس دور میں ایک نئی تبدیلی آجاتی ہے۔ وہ ہے سینما۔ عوام اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے اور اسٹیج ڈراموں کا زمانہ قریب قریب ختم ہونے لگا۔ اب ڈرامہ محض اسکولوں اور ریڈیو پروگرام تک محدود رہ گیا۔

ڈرامہ جب اس کمزور اور شکستہ موڑ پر پہنچ گیا تو غیر اطمینان بخش رفتار میں ایک برقی رَو دوڑ گئی۔ ترقی ادب کا علم تھامے تاج نے "انارکلی" پیش کر دیا جس نے پچھلے مصنفین کی کوتاہیوں کا کفارہ کر دیا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال آج بھی اردو ادب میں نہیں ملتی۔ اس میں بیک وقت اعلیٰ ادبی وزن و وقار ملتا ہے اور شدید ڈرامائی کیفیات بھی ملتی ہیں۔ اس سے ڈرامے کے فن اور ادب دونوں کے دعوے کی تسکین ہوتی ہے۔

دورِ حاضرہ میں اردو ڈرامہ بڑی سرعت سے ترقی پذیر ہے۔ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں ڈرامہ بہت ترقی کے آثار پیدا کر چکا ہے جس میں ایک زبردست قومی ترقی کا راز نظر آتا ہے۔

اردو میں طنز و مزاح

انسان صرف حیوانِ ناطق ہی نہیں ہے بلکہ ہنسنے ہنسانے والا جانور بھی ہے جہاں متانت اور سنجیدگی لوازم انسانیت ہیں وہاں "خندہ دنداں نما" اور "تبسم زیر لب" بھی نہایت ضروری ہیں ان کے بغیر شاید کامیاب زندگی بسر ہی نہیں کی جا سکتی۔

ادب مرقع حیات ہوتا ہے اس لئے اس میں بھی متانت و سنجیدگی کے دوش بدوش

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

شوخی، ظرافت اور طنز و مزاح کا عنصر موجود رہا ہے۔ بعض لوگوں نے دل کا بخار نکالنے کے لئے طنز کا پہلو اختیار کیا بعض نے محض ہنسنے ہنسانے کے لئے زعفران زار تیار کیا لیکن بعض نے شوخی اور مزاح نگاری کو اصلاح کا آلہ کار بنایا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس سے کام لیا۔

مرزا محمد رفیع سودا ہجوؤں کے ذریعہ سے دل کا بخار نکالنے والوں میں سے ہیں۔ انشا رنگین اور جان صاحب محض ہنسنے ہنسانے والوں میں اور حضرت اکبر الہ آبادی اور ظریف لکھنوی وہ ہیں جو شوخی اور طنز و مزاح سے اصلاحی کام لیتے ہیں۔

اردو نثر میں طنز و مزاح کا آغاز "اودھ پنچ" سے ہوا۔ جو انگریزی اخبار "پنچ" کے نمونے پر شائع ہوا۔ البتہ اس سے پہلے بھی اردو میں ظرافت اور مزاح کے بعض اچھے نمونے ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں غالب بہت بڑا شاعر اور نثار ہوا ہے۔ وہ ظرافت میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ غالب کے خطوط پاکیزہ ظرافت سے معمور ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا غالب کا کمال تھا۔

صحیح معنوں میں مزاحیہ نگاری ۱877ء میں "اودھ پنچ" اخبار سے ہی شروع ہوئی۔ اس کے ایڈیٹر سجاد حسین تھے۔ اور اس میں مضامین لکھنے اور شائع کرانے والے رتن ناتھ سرشار، مچھو بیگ ستم ظریف، تربھون ناتھ ہجر، احمد علی شوق اور اکبر الہ آبادی تھے۔ اس کے بعد نئی تہذیب پھیلنے لگی اور پھر مزاح نگاری میدان میں اتری وہ قدیم و جدید کی درمیانی کڑی تھی۔

اردو ادب میں مزاحیہ نگاری کا تیسرا دور جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا۔ اس دور کے مشہور مزاحیہ نگار اور طنز نگار فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری اور رشید احمد صدیقی ہیں۔ فرحت اللہ بیگ محاورہ اور روزمرہ کی چاشنی سے لطف پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس پطرس کے مضامین میں فن تماشا اور مشاہدہ کارفرما ہے۔ ان میں مغربیت پسندی پائی جاتی ہے۔ ان کے غیر فانی شاہکار "کتے" "مرید پور کا پیر"، "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی"، "بائیسکل" وغیرہ ہیں۔ رشید احمد صدیقی قدامت

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور جدت بھی مشرقیت اور مغربیت دونوں سے کام لیتے ہیں۔

موجودہ دور میں کامیاب مزاحیہ نگار عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی، ملا رموزی وغیرہ ہیں۔ ان کی سوجھ بوجھ اچھی ہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی، خواجہ حسن نظامی، اور امتیاز علی تاج کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ کنہیالال کپور نے طنز نگاری میں بڑا نام پایا ہے۔ اُن کے دوست انہیں "بچھو" کہتے ہیں۔ آپ کے مشہور شاہکار "سنگ وخشت"، "نوک نشتر"، "چنگ و رباب"، "شیشہ و تیشہ" وغیرہ افسانوں اور مضمونوں کے مجموعے ہیں۔ آپ کی طنز اور ظرافت شستہ و شائستہ ہے۔ اس میں بلا کا اثر اور غضب کی دلکشی ہوتی ہے۔

اپنا پسندیدہ ادیب

میرے پسندیدہ ادیب سرسید احمد خان ہیں کیونکہ یہ ایک عام مثل ہے کہ "خیال اپنا اپنا پسند اپنی اپنی"۔

مجھے سرسید اس لئے پسند ہیں کہ انہوں نے اردو ادب کی خدمت میں اپنی ساری عمر دے دی۔ وہ ایک عظیم انسان اور مصلح قوم تھے وہ سچائی، ایمانداری، اخلاق، ہمت اور انسانی ہمدردی کے مجسمہ تھے۔ اُن کو ابتدا ہی سے اپنی قوم کی پسماندگی اور تباہ حالی کا احساس تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ مادی خوشحالی اور ترقی کے لئے مغربی تعلیم کا حاصل کرنا ضروری ہے انہوں نے ولایت جاکر مغربی طرز تعلیم اور معاشرت کا مطالعہ کیا اور ہندوستان واپس آکر اُسی قسم کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

سرسید انتہائی درجہ کے شریف النفس، فیاض، منصف، مشفق، محنتی، مستقل مزاج، حق گو، بیباک، دلیر، راستباز، محب وطن، ایماندار اور بے تعصب تھے۔

سرسید اپنے وقت کے بلند پایہ عالم اور مصنف بھی تھے۔ انہوں نے بہت سی تحقیقی اور

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

علمی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک رسالہ تہذیب الاخلاق کے نام سے نکالا تھا جس میں علمی، ادبی، اخلاقی، سماجی وغیرہ مضامین چھپتے تھے جس کا خاص مقصد قوم کو بیداری کا پیغام دینا تھا۔

سرسید ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے اپنی علمی اور تقریری وضاحتوں میں ہندو مسلم اتحاد پر بہت زور دیا ہے۔

خدا نے سرسید کے وجود میں مختلف متضاد لیاقتیں جمع کر دی تھیں۔ اُن کا دل و دماغ دونوں اُن کی حسن تربیت کا نتیجہ تھے وہ اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے وہ اپنے اعلیٰ اخلاق کے سبب لاکھوں دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ انہوں نے تقریباً ساٹھ سال ملک و قوم کی خدمت میں گزارے۔ اُن کے دل میں قوم کا درد تھا اسی لئے وہ قومی خدمت میں شروع ہی سے سرگرم رہے۔ لیکن اس کے جواب میں قوم نے اُن پر طرح طرح کے الزام تراشے، نکتہ چینیوں اور گالیوں سے نوازا۔ کسی نے اُن کو دہریہ کہا کوئی کفر کا فتویٰ حاصل کر لایا۔ کسی نے انگریز کا پٹھو کہا۔ باوجود اس کے کسی کو ایسا موقعہ نہیں ملا کہ اُس کے کیریکٹر پر کوئی معقول گرفت کرتا یا اُس کے چال چلن میں کوئی برائی نکالتا سوائے اس کے کہ اُس کو کافر و ملحد و نیچری وغیرہ کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کیا اور اُن پر وہ وہ الزام لگائے گئے کہ جن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ تھا۔

لیکن سرسید کے کردار میں جو آہن تھا وہ اُن کے اعتراضات سے مڑا یا ٹوٹا نہیں بلکہ اُن میں اور زیادہ جلا آ گئی۔

غرض ساری قوم کی مخالفت کے باوجود 1876ء میں سرسید نے ایم۔اے۔او کالج کی بنیاد ڈالی جو بعد میں ترقی کر کے مسلم یونیورسٹی بنا۔ اس درسگاہ نے نہ صرف مسلمانوں کو جہالت کی تاریکی سے نکالا بلکہ ہر فرقے اور مذہب کے لوگوں کو علم کی روشنی دی ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنا پسندیدہ شاعر

اُردو ادب میں بلند پایہ شعراء کی کمی نہیں۔ بڑے بڑے فلاسفر شعراء گزرے ہیں۔ ولی، میر، سودا، غالب، آتش، مومن، ذوق، حسرت، محروم، جگر، اقبال، جوش، فراق وغیرہ چوٹی کے شعراء ہوئے ہیں، جو اپنے اپنے فن میں یکتائے روزگار تھے لیکن مجھے سب سے زیادہ پسند علامہ اقبال ہیں۔

اقبال ہندوستان کے بہت بڑے فلاسفر، شاعر، شاعر انقلاب شاعر مشرق اور قومی شاعر کی حیثیت سے دنیا بھر میں مشہور رہیں۔

مرزا غالب نے زبان و ادب کی جو شمع جلائی تھی۔ اس سے دُرست طور پر اگر کسی نے فیض اُٹھایا اور اُس شمع کو اپنے افکار و خیالات سے نہیں بلکہ جگر کے لہو سے ضو بخشی۔ اسمیں اقبال کا زیادہ حصہ ہے۔

اس عظیم فلسفی شاعر کا ذہن رُوحانی اور مادی نظریات کا ایک سنگم ہے انھوں نے اپنی شخصیت کو مجموعہ اضداد بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیئے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

اس طرح وہ رُوحانیت کا سبق دیتے ہیں۔ دوسری طرف یہی شاعر درسِ خودی اس طرح سے دیتے ہیں۔ کہ

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال کا فن خودی ہی کے محور پر گھومتا ہے خودی معرفتِ نفس ہے اور معرفتِ نفس ہی عرفانِ خداوندی کا نقشِ اوّل ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

خودی کے علاوہ اقبال کے نزدیک عشق کی بڑی فضیلت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم ہنگامۂ شوق سے بے نیاز ہوتا اگر انسان کا دل عقل کی طرح دانشمند ہوتا لیکن وہ عشق کی برتری اور فضیلت کو مانتے ہوئے عقل کی خوبیوں کے مداح ہیں۔ اور انہیں عقل کی ضرورت کا بھی احساس ہے۔ اسی لئے اقبال عشق کے ساتھ عقل کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ہر وقت انہیں عقل کی دُور اندیشی پسند نہیں آتی وہ کہتے ہیں۔

؎ بہتر ہے دِل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

عقل کی کوششوں کا ماحصل علم ہے۔ علم خبر دیتا ہے۔ عقل پتہ بتاتی ہے اور عشق صاحب نظر بناتا ہے۔ حقیقت کی بلا واسطہ معرفت حاصل کرنے کے لئے دل میں دیدۂ بینا پیدا کرتا ہے اور اس طرح ہمارے دِل کی آنکھ بغیر کسی جھجک کے تمام تعینات کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی حقیقت تک پہنچ جاتی ہے۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری آفاقی قدروں کی حامل ہے انہوں نے ایک نئے دَور کی تعمیر و تشکیل کی ہے۔

اخبار بینی کے فائدے

اخبار اُن تازہ چھپی ہوئی خبروں کے مجموعے کا نام ہے جو وقت مقررہ پر چھاپ کر پبلک میں شائع کیا جاتا ہے انسان ہر معاملہ میں اپنی نوع کا محتاج ہے اور بہت کچھ دوسروں سے حاصل کرتا ہے مثلاً اپنے ماں باپ سے بولنا سیکھتا ہے۔ حکیموں اور ڈاکٹروں سے صحت کے اصول سیکھتا ہے۔ عالموں کی صحبت سے علم اور ادب کی باتوں سے آگاہ ہوتا ہے مختلف ماہرین فن سے صنعت و حرفت اور اصول تجارت سے واقف ہوتا ہے۔ اسی طرح اخبار بھی بمنزلہ استاد کے ہوتے ہیں جو ہمیں مختلف علوم و فنون سے آگاہ کرتے ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اخبار کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ ہر مہذب قوم کی ضروریاتِ زندگی کا ایک ضروری حصہ بن گیا ہے۔ مہذب ملکوں میں اخبارات کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ وہ آزادی سے ہر معاملہ میں اپنی رائے دے سکتے ہیں۔ پبلک کی رائے کو بدل سکتے ہیں۔ اخبارات کے ذریعہ سے ہم گھر بیٹھے بٹھائے کم قیمت پر دُنیا کی سیر کر سکتے ہیں۔ رائے عامہ کے اظہار کرنے کے اخبارات ہی ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہر شخص اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتا ہے۔

ہر پیشہ ور کو اپنے مفید مطلب معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ تاجروں کو مختلف منڈیوں کے نرخ اور تجارتی معلومات بہم پہنچتی ہیں۔ کیونکہ تجارت اور صنعت و حرفت کے فروغ دینے کا بہترین ذریعہ اخبار میں اشتہار چھپوانا ہے۔

کرکٹ، فٹ بال، ہاکی، ٹینس وغیرہ کے میچوں کی خبریں اخبار میں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں اور ان سے دلچسپی لینے والے گھر بیٹھے بٹھائے سارا حال پڑھ لیتے ہیں۔ ملازمت کے خواہشمند خالی آسامیوں کی خبریں پڑھتے ہیں۔

اخبارات کے پڑھنے سے ہم دوسری قوموں کے طرزِ حکومت اور زراعت کے طریقوں سے باخبر ہو کر اپنے ملک کی حالت سدھار سکتے ہیں۔ سرکاری ملازموں کی کارستانیوں اور رشوت ستانی کی شکائتیں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ حکومت اُن سے متعلق تحقیقات کر کے مجرموں کو مناسب سزا دیتی ہے۔

طالبِ علمی کا زمانہ

طالبِ علمی کا زمانہ نہائیت ہی اچھا زمانہ ہے۔ یہ عمر کا بہترین حصہ ہے یہ سنہری زمانہ کہلانے کا مستحق ہے جو طالبِ علم اس زمانہ سے فائیدہ اٹھاتا ہے وہ عمر بھر آرام اور چین سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اس زمانہ میں نہ دُنیا کے دھندوں کی فکر ہوتی ہے اور نہ روزی کمانے کا خیال ستاتا ہے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

یہ بڑی بےفکری کی زندگی ہوتی ہے کیونکہ کھانے پینے کی اچھی سے اچھی چیزیں ماں باپ سے حاصل ہوجاتی ہیں یا پہننے کے لئے عمدہ سے عمدہ کپڑا دستیاب ہوجاتا ہے نہ کھانے کی فکر نہ پہننے کی فکر ہوتی ہے۔

طالب علمی کے زمانے میں جو عادتیں پڑ جاتی ہیں، وہ عمر بھر نہیں جاتیں اس لئے ہر طالب علم کو چاہئیے کہ وہ نیک عادات ڈالے اور بُری عادتوں سے پرہیز کرے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ذیل کی باتوں کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئیے:۔ (۱) ہمیشہ صبح سویرے اُٹھ کر خدا کو یاد کرو۔ (۲) سکول جاتے وقت راستے میں کھیل کود اور شرارتوں سے پرہیز کرو اور ٹھیک وقت پر سکول پہنچو۔ (۳) سکول پہنچ کر اپنے اُستاد کو بڑے ادب سے "جے ہند" کرو۔ اور اپنے ہم جماعتوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ (4) جماعت میں اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھو اور جب اُستاد پڑھائے پوری توجہ سے سنو۔ (5) اُستاد کا حکم مانو اور اُس سے علم حاصل کرنے میں مت جھجکو۔ (۶) طالب علمی کے زمانہ میں اس بات کی عادت ڈالو کہ ہر چیز میں حد درجہ کی صفائی ہو کوئی چیز گندی اور میلی نہ ہو ردی کا غذ ادھر اُدھر نہ پھینکو۔ (۷) سکول کی دیواروں پر چاک یا سیاہی سے لکھنے سے پرہیز کرو۔ (8) اپنے قیمتی وقت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔ (۹) پڑھے ہوئے سبق کو گھر پر روزانہ یاد کرو اور جو کام گھر کے لئے ملے اُسے باقاعدہ وقت پر ختم کر کے لاؤ۔ (۱۰) اپنی عام واقفیت بڑھانے کے لئے لائبریری کی کتابوں، اخباروں اور رسالوں کے مطالعہ کی عادت ڈالو (۱۱) ماں باپ کی فرمانبرداری کرو اور اپنے دوسرے رشتہ داروں سے خوش خلقی سے پیش آؤ (12) حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کرو (13) محنت اور استقلال کی عادت ڈالو (14) جو کام کرو اچھی طرح کرو کسی کام کو ادھورا نہ چھوڑو (15) اپنے دیش کی حفاظت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہو کیونکہ ع۔ حُبِ وطن جزوِ ایمان ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پریس کی آزادی

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (غالب)

غالب فرماتے ہیں کہ تقریر کرنے والے کی تقریر کا اثر عوام پر جو تقریر سن رہے ہیں بڑا گہرا پڑتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے خیالات دوسروں تک اپنی تقریر یا تحریر کے ذریعہ سے پہنچا کر عوام کو راہ راست پر لا سکتے ہیں یہ آزادی ہمیں پریس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

ہمیں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی آزادی حاصل ہونی چاہیئے ہم اپنے خیالات اخبارات اور پریس کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اخبارات پڑھے لکھے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو کہ سماج کو سدھارنے میں مدد دیتے ہیں۔ اخبارات اور پریس عوام کی ایک ایسی زبردست طاقت ہے جس کی مدد سے عوام حکومت کے کاموں پر نظر رکھتے ہیں اور اگر وہ اپنے راستے سے ذرا بھی بھٹکتے ہیں تو عوام پریس کی مدد لیتے ہیں۔

پریس کی نظریں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ وہ حکومت اور لیڈروں کے اندرونی رازوں کو جان لیتے ہیں اور اُن کو صحیح راستے پر لا سکتے ہیں۔ پریس اور اخبارات کو آزاد ماحول کی ضرورت ہے۔ اُن کو کام کرنے کے لئے خوشگوار اور سازگار ماحول کی ضرورت ہے تاکہ وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔ پریس کو اجازت ملنی چاہیئے کہ بغیر کسی ڈر یا خوف کے یا بغیر کسی کی طرفداری کے اپنا کام آزادی سے کر سکے اور لوگوں کو اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے خیالات آزادی کے ساتھ پریس اور اخبارات کے ذریعہ سے ظاہر کر سکیں۔ اخبارات کو تعصب اور فرقہ پرستی سے بالاتر رہنا چاہیئے اور غیر ذمہ دارانہ خبریں چھاپنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اسی میں ملک کی ترقی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کارانہ ہے۔

مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم کا مطلب ہے مشترکہ تعلیم یعنی وہ تعلیم جہاں لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ ایک سکول یا ایک کالج میں اکٹھے تعلیم حاصل کرتے ہوں۔ ایسی تعلیم کے بہت سے فائدے ہیں لیکن کچھ نقصان بھی ہیں۔

آج کی دنیا میں جب ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کسی پر کسی قسم کی پابندی لانا غیر واجب اور نامناسب ہے۔ اگر عورت اور مرد کا گھر میں اکٹھے رہنا۔ اکٹھے کام کاج کرنا اور اکٹھے کھانا پینا وغیرہ صحیح اور درست طور پر ہوسکتا ہے تو پھر تعلیم کا اکٹھے حاصل کرنا کیوں نہیں ہوسکتا۔ دنیا کے سب ممالک میں مشترکہ تعلیم کا عام رواج ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں بھی لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے تعلیم حاصل کریں تو کوئی ہرج نہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ سکول اور کالج کھولنا ملک کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ حکومت کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ علیحدہ سکول اور کالج کھولے۔

مخلوط تعلیم سے ایک فائدہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کو ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے کا ایک اچھا موقعہ ملتا ہے اور انہیں مل جل کر کام کرنے کی عادت پڑتی ہے۔ ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے سے ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی عزت کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

ایک ساتھ پڑھنے سے کئی لڑکے پڑھائی کی طرف سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی لڑکے اپنے راستے سے بھٹک کر تعلیم حاصل کرنے کی بجائے لیلےٰ مجنوں یا شیرین فرہاد کا قصہ دہرانے لگتے ہیں۔ یہ میں کچھ خرابیاں جو سُدھر بھی سکتی ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

عام معلومات سے متعلق مضامین

عام معلومات سے متعلق جن مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اُن میں کھیلیں، اہم شخصیتیں، سائنس وغیرہ سے تعلق رکھنے والے مضامین ہیں۔

کھیلوں سے متعلق:- کھیلنا حصولِ صحت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کھیلنے سے انسان کی صحت برقرار رہتی ہے جس طرح انسان کے لئے بغیر خوراک کے زندہ رہنا ناممکن ہے، اسی طرح کھیل کے بغیر جسم کا پورے طور پر نشو و نما پانا بھی ناممکن ہے۔ کھیلنے سے جسم کے ہر حصّہ کی بخوبی ورزش ہو جاتی ہے۔ کھیل کا اخلاقی اثر بھی بہت اچھا پڑتا ہے۔ چنانچہ دیانتداری کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ فرمانبرداری اور ادب کی عادت پڑتی ہے۔ اگر علم حاصل کرنے کے لئے تعلیم کا کمرہ ہے تو تہذیب، شائستگی اور اخلاق کے لئے کھیل کا میدان ہے۔

اہم شخصیتوں سے متعلق:- اہم شخصیتوں کی زندگی کے حالات پڑھنے سے ہمارے اندر نیک خصلتیں اور نیک عادتیں پیدا ہوتی ہیں اُن نیک خصلتوں کی وجہ سے ہم اپنے ملک و قوم کے لئے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں۔ ہمارے بزرگ، رہنما، ہادی اور لیڈر ہمارے لئے جو جو کارہائے نمایاں چھوڑ گئے ہیں۔ ہمارے لئے اُن پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ نامور لوگوں کی تاریخیں پڑھ کر ہمارے اندر سخاوت، صداقت، نکوکاری اور ہمدردی جیسی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔ عمدہ اخلاق اور اچھی عادات انسانی زندگی اور قوتِ عمل کا حسن ہیں۔ اس لئے ہمیں نامور ہستیوں کی زندگی کے حالات ضرور پڑھنے چاہئیں اور اُن سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

سائنس سے متعلق:- ؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

سائنس کی دُنیا میں اس قدر حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh.

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوگا؟ ہم سائنسی انقلاب کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ ہماری ناشکری ہوگی اگر ہم سائنس کے بے پایاں احسانات اور فائدوں کو تسلیم نہ کریں جو تمام عالم انسانیت کو سائنس کے ذریعہ سے پہنچ رہے ہیں۔

اپنا پسندیدہ کھیل

کھیلوں میں ہر قسم کے کھیل شامل ہیں۔ فٹ بال، ہاکی، والی بال، ٹینس، کبڈی، گلی ڈنڈا، کرکٹ، ہائی جمپ، لانگ جمپ، ہر قسم کی دوڑیں، نیزہ پھینکنا وغیرہ۔

ان تمام کھیلوں میں کرکٹ میری پسندیدہ کھیل ہے۔ کرکٹ کا کھیل دنیا کے تمام ملکوں میں ہر دلعزیز اور پسندیدہ کھیل مانا جاتا ہے۔ اس کھیل میں ۲ دو ٹیمیں ہوتی ہیں جن میں سے ہر ایک میں گیارہ گیارہ کھلاڑی ہوتے ہیں۔ کھیلنے کے لئے ایک بہت بڑا وسیع اور ہموار میدان ضروری ہے۔ اس کھیل میں دو بلے، چھ وکٹ، گیند اور پیڈ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ دونوں ٹیموں کے کھیل کے مقابلے کے بارے میں ایماندارانہ اور منصفانہ ڈھنگ سے فیصلہ کرنے کے لئے ۲ دو ایمپائر بھی ہونا لازمی ہے۔

کرکٹ کھیلنے کے لئے سب سے پہلے میدان میں دو جانب تین تین وکٹ گاڑ دئیے جاتے ہیں جن کے درمیان ۲۲ بائیس گز کا فاصلہ رکھا جاتا ہے۔ پہلے کھیلنے والی ٹیم کے ۲ دو کھلاڑی بلے لے کر دونوں وکٹوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مقابل ٹیم کے گیارہ کھلاڑی فیلڈنگ کرنے کے لئے اپنی اپنی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ ۲ دو کھلاڑی باری باری گیند پھینکتے ہیں۔ کھیلنے والی ٹیم کے کھلاڑی زیادہ سے زیادہ رن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مخالف ٹیم ان کو جلد از جلد آؤٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ وہ زیادہ رن نہ بنا سکیں۔

کرکٹ کا کھیل نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ صحت کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ اس کھیل کے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے، صبر اور استقلال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جو ہماری ذاتی اور سماجی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔

اہم شخصیتیں

مہاتما گاندھی

مہاتما گاندھی 2 اکتوبر 1869ء کو گجرات کے ایک مشہور قصبہ پوربندر میں ایک معزز بنیا خاندان کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کے پتا راجکوٹ ریاست کے دیوان تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ پڑھائی کے لئے انگلینڈ چلے گئے۔ لندن میں آپ نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور وہاں سے واپس آکر بمبئی ہائیکورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔

آپ کو ایک مقدمے کے سلسلہ میں جنوبی افریقہ جانا پڑا وہاں آپ بیس سال رہے۔ جب آپ نے وہاں ہندوستانیوں کے ساتھ برا سلوک دیکھا تو آپ نے وہاں ستیہ گرہ کی تحریک شروع کردی۔ اور ہندوستانیوں کے اندر خودداری کا جذبہ پیدا کیا۔

1914ء میں آپ واپس ہندوستان آئے۔ 1919ء میں جلیانوالہ باغ کا دردناک واقعہ دیکھ کر آپ انگریز سرکار کے سخت خلاف ہو گئے۔ اور ستیہ گرہ کی تحریک شروع کردی۔ لوگوں کو آزادی کا راستہ دکھایا۔ ان میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔

آپ نے کمال حوصلہ اور تدبر سے صرف سچائی اور اہنسا کے ہتھیار کے ساتھ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے ساتھ جنگ کی۔ اور 15 اگست 1947ء کو انگریز کی غلامی سے ملک کو آزاد کرا لیا۔ آپ نے کئی بار جیل یاترا کی۔ لوگ آپ کو آج بھی "باپو" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ 30 جنوری 1948ء کو دہلی میں قتل کئے گئے۔

مہاتما گاندھی بیسویں صدی کے سب سے بڑے انسان تھے انہوں نے اپنی ساری زندگی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جدوجہد میں گزاری۔ یہ جدوجہد ظلم، بے انصافی اور غلامی کے خلاف تھی۔ انھوں نے ہمیں مذہبی رواداری کا پیغام دیا ہمیں یقین ہے کہ اگر دنیا کے لوگ اس پیغام کو سمجھ لیں اور اس پر عمل کریں تو ساری دنیا سے جنگ، نفرت، اور جھوٹ کا خاتمہ ہو جائے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

پنڈت جواہر لال نہرو آزاد ہند کے پہلے وزیر اعظم اور موجودہ زمانے کے مانے ہوئے سیاستدان تھے۔ عوام کو آپ کے ساتھ بے حد عقیدت تھی۔ آپ موتی لال نہرو کے فرزند تھے۔

آپ کا جنم 14 نومبر 1889ء میں الہ آباد میں ہوا تھا۔ آپ نے انگلینڈ سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا تھا اور انگلینڈ ہی میں آپ کے دل میں وطن کی آزادی کی تڑپ پیدا ہو چکی تھی چنانچہ وہاں سے واپس لوٹنے کے بعد جلد ہی آپ نے سیاسیات میں قدم رکھ لیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔

1929ء میں آپ کانگریس کے صدر بنے اور لاہور میں راوی کے کنارے آل انڈیا کانگریس کے اجلاس میں مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کیا۔ اس کے بعد بھی آپ کئی بار کانگریس کے صدر چنے گئے۔ آپ کی قابلیت ایثار اور آپ کی قربانی بےمثال تھی۔ ملک اور قوم کی خاطر کئی بار جیل کی مصیبتیں برداشت کیں۔ آپ ایک عالمگیر شہرت کے مصنف بھی تھے حقیقت یہ ہے کہ آپ ہندوستان کی آزادی کی روح تھے اور ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کے حقیقی محسن تھے۔ آپ 27 مئی 1964ء کو اچانک دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو سیاسی رہنما اور وزیر اعظم ہونے کے علاوہ ایک عظیم انسان بھی تھے ان کی عظمت کا اعتراف تمام دنیا آج بھی کرتی ہے۔ ان کی لکھی ہوئی مشہور کتابوں میں سے چند یہ ہیں۔ میری سوانح حیات، دنیا کی تاریخ کی چند جھلکیاں، ہندوستان اور دنیا، ہندوستان کی دریافت،

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وغیرہ ان میں سے بیشتر کتابیں قید میں لکھی گئی ہیں

ایک دفعہ مہاتما گاندھی جی نے کہا تھا: "پنڈت نہرو کا دل آئینہ کی طرح صاف ہے۔ اور ہندوستان کا مستقبل نہرو کے ہاتھ محفوظ ہے۔" پنڈت نہرو کو گاندھی جی سے بے حد عقیدت تھی۔ اور گاندھی جی کو بھی اُن پر بھروسہ تھا۔

ڈاکٹر ذاکر حُسین

ڈاکٹر ذاکر حسین کا وطن فرخ آباد کا قصبہ قائم گنج ہے لیکن آپ کی پیدائش حیدر آباد میں سنہ 1897ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام خان فدا حسین خان ہے۔ آپ آفریدی پٹھانوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قائم گنج سے مڈل، اٹاوہ سے میٹرک پاس کر کے سنہ 1919ء میں علیگڑھ سے ایم۔اے پاس کیا۔ سنہ 1920ء میں جرمنی چلے گئے جرمنی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

بہت عرصہ تک جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی میں پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتے رہے لیکن اپنی تنخواہ تین سو روپے سے گھٹاتے گھٹاتے پچہتر روپے کر دی۔

مہاتما گاندھی نے جب ہندوستان کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کرنا چاہی تو ایک کمیٹی مقرر کی جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین بنائے گئے۔ اس کے بعد آپ کو علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنا دیا گیا۔ سنہ 1956ء میں خرابیٔ صحت کی بنا پر آپ نے مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا لیکن گورنمنٹ ہند نے آپ کو بہار کا گورنر بنا دیا۔ اس کے بعد آپ نائب صدر جمہوریہ ہند چنے گئے اور ڈاکٹر رادھا کرشنن کی سبکدوشی کے بعد ۱۳ مئی سنہ 1967ء کو آپ صدر جمہوریہ ہند بنے اور ۳ مئی سنہ 1968ء کو دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔

ذاکر صاحب گاندھی جی کے تعلیمی نظریات سے کافی متاثر تھے لیکن وہ خود بھی ماہر تعلیم تھے۔ انہوں نے تعلیمی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے جو رپورٹ لکھی تھی وہ ہندوستانی نظام تعلیم میں ایک اہم مقام

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ترقی اور عظمت کا راز اُن کی ذاتی خصوصیات اور شخصیت میں تھا اُن کی شخصیت باوقار اور پُرکشش تھی۔ اُن کے دل میں انسانیت کا درد اور ایثار کا جذبہ تھا۔ اُن کا کردار کسی آئینہ کی طرح صاف اور بے داغ تھا۔

شریمتی اندرا گاندھی

شریمتی اندرا گاندھی ۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاں الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے اپنی تعلیم سوئیزرلینڈ، آکسفورڈ اور شانتی نکیتن میں حاصل کی۔ اُن کا کہنا ہے کہ "میری زندگی اور میرے کاموں پر ٹیگور کا بھاری اثر ہے۔"

اگرچہ شریمتی اندرا گاندھی ۱۲ سال کی عمر ہی سے پالیٹکس میں حصہ لے رہی ہیں مگر انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ پالیٹکس میں اُس وقت حصہ لینا شروع کیا جب اکیس ۲۱ سال کی عمر میں وہ کانگریس میں شامل ہوئیں۔ اُس کے بعد وہ آزادی کی تحریک میں کود پڑیں اور کئی ماہ برطانوی جیلوں میں گذارے ۱۹۵۴ء میں انہیں کانگریس ورکنگ کمیٹی میں شامل کیا گیا۔

۱۹۶۲ء میں جب چین نے بھارت پر حملہ کیا تو شریمتی اندرا گاندھی نے ملک کے ہر حصہ کا دورہ کیا اور اس عظیم چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے لوگوں کو متحد کیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جب پاکستان نے حملہ کیا تو شریمتی اندرا گاندھی نوجوانوں اور اُس علاقہ کے لوگوں سے ملنے کے لئے مورچوں پر گئیں۔ وہ پہلی مرتبہ ۱۹۶۴ء میں پارلیمنٹ میں داخل ہوئیں اور راجیہ سبھا کی ممبر منتخب ہوئیں۔ جون ۱۹۶۴ء میں شاستری کی کیبنٹ میں وزیر اطلاعات و نشریات کی حیثیت سے لی گئیں۔

شریمتی اندرا گاندھی ۱۹ جنوری ۱۹۶۶ء کو شری مرارجی ڈیسائی کے مقابلے میں پہلی مرتبہ پردھان منتری چنی گئیں آپ دنیا بھر میں تیسری عورت ہیں جو پردھان منتری چن لی گئیں۔ تیسری دفعہ پھر مارچ ۱۹۷۱ء میں بلامقابلہ پردھان منتری چن لی گئیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مارچ 1977ء میں پارلیمنٹ سیٹ پر شری راج نارائن کے مقابلہ میں ہار گئیں لیکن جنوری 1980ء کے وسط المدتی چناؤ میں کانگریس (آئی) کی وزارت بننے پر شریمتی اندرا گاندھی پھر پردھان منتری چن لی گئیں۔ آپ کا شمار دنیا بھر کے سیاستدانوں کی صف اوّل میں ہے۔ آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور ان تھک کوششوں سے اپنی پارٹی کانگریس (آئی) کو بے حد مضبوط بنایا۔ موجودہ وقت میں ان کا سب سے بڑا قابلِ قدر کارنامہ پنجاب کے مسئلہ کا سلجھانا تھا جو ملک کی سلامتی کے لئے خطرناک بنا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے 31 اکتوبر 1984ء کو ان کے اپنے ہی دو سکھ محافظوں نے مذہبی جنون میں آکر گولیاں مار کر ہلاک کر دیا اور اس طرح ہندوستان ایک عظیم رہنما سے محروم ہو گیا۔

ہندوستان کے راشٹرپتی

ہندوستان کے پہلے راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد تھے۔ آپ 3 دسمبر 1884ء کو صوبہ بہار کے ضلع چمپارن میں پیدا ہوئے۔ 26 جنوری 1950ء کو آپ جمہوریہ ہند کے پہلے راشٹرپتی بنائے گئے۔ 13 مئی 1962ء تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔ 1963ء میں اچانک دل کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔

ہندوستان کے دوسرے راشٹرپتی ڈاکٹر رادھا کرشنن تھے۔ آپ 5 دسمبر 1888ء کو پیدا ہوئے۔ 13 مئی 1962ء سے 12 مئی 1967ء تک آپ صدر جمہوریہ ہند رہے۔ 17 اپریل 1975ء کو آپ سورگباش ہو گئے۔

ہندوستان کے تیسرے راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین تھے۔ آپ 1897ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ 9 مئی 1967ء کو راشٹرپتی منتخب ہوئے اور 13 مئی 1967ء کو راشٹرپتی کے نئے عہدے کا چارج سنبھالا۔ آپ کا 3 مئی 1969ء کو انتقال ہو گیا۔

ہندوستان کے چوتھے راشٹرپتی شری وی۔ وی گری تھے۔ آپ 10 اگست 1894ء کو پیدا ہوئے۔ 24 اگست 1969ء کو بھارت کے راشٹرپتی چنے گئے اور 23 اگست 1974ء تک اپنے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔

ہندوستان کے پانچویں راشٹرپتی شری فخرالدین علی احمد تھے۔ آپ 13 مئی 1905ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 24 اگست 1974ء کو ہندوستان کے راشٹرپتی کے عہدہ کا چارج سنبھالا۔ آپ 11 فروری 1977ء صبح 8 بجے دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔

ہندوستان کے چھٹے راشٹرپتی شری نیلم سنجیوا ریڈی تھے۔ شری سنجیوا ریڈی 19 مئی 1913ء کو ضلع اننت پور (آندھرا پردیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ 8 جولائی 1977ء سے 7 جولائی 1982ء تک ہندوستانی پبلک کے صدر رہے۔

ہندوستان کے ساتویں راشٹرپتی گیانی ذیل سنگھ منتخب ہوئے۔ آپ کا اور کارل مارکس کا جنم دن 5 مئی 1916ء ہے۔ آپ پنجاب کے مکھیہ منتری اور اندرا وزارت میں وزیر داخلہ رہ چکے ہیں۔ آپ نے 25 جولائی 1982ء کو راشٹرپتی کا عہدہ سنبھالا۔

ہندوستان کے پردھان منتری

آزاد ہندوستان کے پہلے پردھان منتری پنڈت جواہر لال نہرو تھے۔ آپ 1952ء 1957ء اور 1962ء لگاتار پردھان منتری چنے آتے گئے۔ 27 مئی 1964ء کو اچانک دل کی حرکت بند ہونے سے وفات پا گئے۔

ہندوستان کے دوسرے پردھان منتری شری لال بہادر شاستری تھے۔ آپ 6 جون 1964ء کو پردھان منتری بنے۔ 11 جنوری 1966ء کو تاشقند میں اچانک دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گئے۔

ہندوستان کے تیسرے پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی بنیں۔ 1966ء میں ڈیسائی کے مقابلے میں کامیاب ہوئیں۔ 1967ء اور 1971ء میں بلا مقابلہ چن لی گئیں۔ 1977ء میں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

شری راج نارائین کے مقابلہ میں پارلیمنٹ کی سیٹ ہار گئیں لیکن جنوری ۱۹۸۰ء کے وسط المدتی چناؤ میں کانگریس (آئی) کی وزارت بننے پر پھر پردھان منتری چُن لی گئیں۔

ہندوستان کے چوتھے پردھان منتری شری مُرارجی ڈیسائی بنے۔ جو 24 مارچ ۱۹۷۷ء سے 25 جولائی ۱۹۷۹ء تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔ 2 سال 4 ماہ کے بعد چوہدری چرن سنگھ نے وزارت کو پلٹ دیا۔

ہندوستان کے پانچویں پردھان منتری چوہدری چرن سنگھ بنے۔ آپ نے 25 جولائی ۱۹۷۹ء کو شری مرارجی ڈیسائی کی وزارت کا تختہ پلٹ دیا اور خود پردھان منتری بن گئے لیکن ۵ ماہ اور 15 دن کے بعد وسط المدتی چناؤ ہوئے تو آپ کی وزارت کا خاتمہ ہو گیا۔

اب پھر جنوری ۱۹۸۰ء سے شریمتی اندرا گاندھی پردھان منتری چُنی گئیں۔ آپ ہندوستان کی چھٹی پردھان منتری تھیں۔ شریمتی اندرا گاندھی کا شمار دُنیا بھر کے سیاستدانوں کی صفِ اوّل میں ہے۔ آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور اَن تھک کوششوں سے اپنی پارٹی کانگریس (آئی) کو بیحد مضبوط بنا لیا ہے۔ شریمتی اندرا گاندھی کو 31 اکتوبر ۱۹۸۴ء کو پونے دس بجے صبح اُن کے ہی دو سکھ محافظوں سب انسپکٹر بے انت سنگھ اور کانسٹیبل ستونت سنگھ نے گولیوں سے اُڑا دیا۔

سائنس کے کرشمے

سائنس کی دُنیا میں اس قدر حیرت انگیز ترقی ہو رہی ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کیا ہو گا۔ دوسری جنگ عظیم میں سائنس نے کافی ترقی کی ہے۔ ایٹم بم کی تخلیق بھی اُسی وقت ہوئی۔ ہندوستان نے آزادی کے بعد سائنس کے ہر شعبہ میں ترقی کی ہے۔ اب ہمارے ملک میں ضرورت کا سامان اور اچھی قسم کے ہتھیار بنانے کے کارخانے کھل گئے ہیں جن کی مدد سے اپنے ملک کی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حفاظت کی جاسکے۔ کھیتی باڑی کے کام میں بھی ہمیں سائنس سے بڑی مدد ملی ہے۔ اس کی مدد سے بہت سے اچھے قسم کی کھاد بنائی گئی ہے۔ اس دوران میں ترقی کے سلسلے میں نئے نئے طریقے معلوم کئے گئے ہیں۔

ہمارے ملک کے کارخانوں میں ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون اور ٹرانسسٹر بھی بن رہے ہیں سائیکل، سکوٹر، موٹر کاریں، ریل گاڑیاں، انجن، ہوائی جہاز اور سمندری جہاز بھی کافی تعداد میں بن رہے ہیں۔

میڈیکل سائنس میں بھی ہمارا ملک کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ ہر مرض کی دوا ہندوستان میں بن رہی ہے۔ بہت خاص قسم کی دوائیاں بھی ہمارے ملک میں بن رہی ہیں۔ دل و دماغ کے آپریشن بھی کامیابی سے ہو رہے ہیں کینسر کے علاج کے انسٹی ٹیوٹ بھی ہمارے ملک میں موجود ہیں جہاں کینسر کا علاج کامیابی سے ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں ہتھیار بنانے کے کارخانے بھی کھل گئے ہیں جن میں بھاری ٹینک، جیٹ ہوائی جہاز، جنگی ہتھیار وغیرہ بن رہے ہیں۔ ہمارے ملک نے سیارے بھی چھوڑے ہیں۔

ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان نے سائنس کے میدان میں کافی ترقی کرلی ہے۔ اب وہ دن بھی دور نہیں جب سائنسی اعتبار سے ہمارا ملک دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہونے لگے گا۔

بے روزگاری کا مسئلہ

کسی نے خوب کہا ہے کہ مصیبت تنہا نہیں آتی۔ یہ قول بے روزگاری پر صادق آتا ہے بے روزی بھی ایک مصیبت ہے جو اپنے ساتھ بے شمار مصیبتیں لے کر آتی ہے۔ غریبی، بھوک اور بیماری سب مصیبتیں بے روزگاری کی وجہ سے انسان کو دبوچ لیتی ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ایک طرف تو بے روزگار آدمی کا اثر گھر کے افراد پر بدحالی اور پریشانی کی حالت میں ہوتا ہے دوسری طرف بے روزگاری کی وجہ سے طرح طرح کی اخلاقی اور سماجی برائیاں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چوری، ڈاکہ، دھوکے بازی، بے ایمانی اور بدمعاشی وغیرہ کئی قسم کے جرائم کا ان کو شکار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ بے روزگاری کا اثر ملک کی ترقی میں بھی رکاوٹ ڈالتا ہے۔

دُنیا میں وہ ملک حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے جو اپنے نوجوانوں کو روزگار بھی مُہیا نہیں کر سکتا۔ ملک میں ایسے وسائل پیدا کئے جانے چاہئیں جن سے بے روزگاروں کو کام کرنے کے مواقع حاصل ہوں۔ بڑے بڑے کارخانے کھولے جائیں، گھریلو دستکاریوں کو فروغ دیا جائے۔ دیہاتوں میں چھوٹے پیمانوں پر کپڑا بنانے، کاغذ بنانے اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی چیزیں تیار کرنے کے کارخانے کھولے جائیں جن سے بے روزگاروں کو کام مل سکے۔

سکولوں میں بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعتی، فنی اور عملی کام بھی سکھائے جائیں تاکہ بچوں کو سکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے روزگار کو خود حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کریں۔ بے روزگاری کو دُور کرنے کا واحد حل یہ ہے کہ ملک میں صنعتی اور تعلیمی پالیسیوں میں ایک ایسا انقلاب لایا جائے جو ملک کے تمام بے روزگاروں کو روزگار فراہم کر سکے اور ملک کے لوگوں کو زراعت، تجارت اور دوسرے علوم و فنون کی تربیت دی جائے تاکہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنے خاندان اور ملک کے دوسرے لوگوں پر بوجھ ثابت نہ ہوں بلکہ اپنی روزی خود پیدا کر سکیں۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی

ملک میں جس قدر آبادی بڑھتی جا رہی ہے۔ اُس قدر پیداوار میں ترقی نہیں ہو رہی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کی ہر ایک کو طلب ہوتی ہے۔ اس لئے چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ اس بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ہر ایک کو پریشان کر رکھا ہے۔

موجودہ مہنگائی بڑے بڑے پیٹ والے سرمایہ داروں، سٹاکسٹوں اور منافع خوروں نے پیدا کی ہے۔ وہ آئے دن ضروریاتِ زندگی کی چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

ہندوستان ویسے بھی ایک غریب ملک ہے اور اب تک غریبی میں کمی کی بجائے بے حد اضافہ ہو رہا ہے۔ بھوک، مفلسی اور بدحالی اس قدر بڑھتی جا رہی ہے کہ غریبوں کا جینا مشکل ہو گیا ہے نیز درمیانہ اور اوسط درجے کے لوگ بھی پیٹ بھرنے اور تن ڈھانپنے سے عاجز ہیں کیونکہ وہ بھی بمشکل ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے ہیں۔

بڑھتی ہوئی مہنگائی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی غریبی اور بدحالی کو روکنے کے لئے حکومت اور عوام دونوں کو مل جل کر کوشش کرنا چاہیئے۔ مہنگائی کو روکنے کے لئے حکومت کو اپنے تمام ذرائع اور طاقت کا استعمال کرنا چاہیئے۔ کارخانوں، ملوں اور صنعتی و تجارتی اداروں کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہیئے۔ بلیک کرنے والے ذخیرہ اندوزوں، رشوت خوروں اور بے ایمان لوگوں کو سخت سے سخت سزائیں دینا چاہیئے۔

حکومت کو زرعی پیداوار بڑھانے، صنعتی ترقی کرنے اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے منصوبے بنانا چاہئیں جن سے غریبی اور بدحالی دور ہو سکے۔

بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ

ہندوستان میں دوسرے کئی مسائل کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ بہت پیچیدہ صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ہمارے ملک کی آبادی اس قدر تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے کہ لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے میں کئی دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ آبادی دن بدن

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

بڑھتی جا رہی ہے اور غذائی پیداوار کم ہوتی جا رہی ہے۔ اس لئے لوگوں کا معیارِ زندگی نیچا ہوتا جا رہا ہے۔ ملک کے ترقیاتی کاموں میں بھی رکاوٹ پڑتی جا رہی ہے۔ غریبی، بے روزگاری، بھوک ننگ اور مفلسی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان دوسرے ممالک کے مقابلے میں پسماندہ اور غریب شمار کیا جاتا ہے۔

آبادی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ سب کو پیٹ بھر کر کھانا بھی میسر نہیں۔ لوگوں کو سر چھپانے کے لئے مکان اور جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑا حاصل نہیں۔ نوکریاں بھی اس بڑھتی ہوتی آبادی کے مقابلے میں اتنی کم ہیں کہ قدم قدم پر بیکاری کے ساتھ ساتھ بہت سی سماجی اور اخلاقی بُرائیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

چوری، ڈاکہ کی وارداتیں، قتل و غارت، لاقانونی، بے ایمانی اور رشوت خوری دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ بھوک اور غریبی کے نتیجہ کے طور پر صحت کا معیار گرتا جا رہا ہے طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔

ملک میں آبادی کے بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ آبادی بڑھنے سے خوراک کس طرح پوری ہوگی۔ بے روزگاری کیسے دور ہوگی۔ جسم ڈھانپنے کو کپڑا کہاں سے حاصل ہوگی۔ ضروریاتِ زندگی کہاں سے آئیں گی۔ آبادی بڑھانے میں ہمارے لوگ چینیوں سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔

آبادی روکنے کے لئے عوام بھی حکومت کا ساتھ دیں۔ اولاد کم پیدا کریں۔ دل و دماغ کو اپنے قابو میں رکھیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلہ کو ٹھنڈے دل سے سوچیں اور ان طریقوں پر دل سے عمل کریں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ آبادی نہ بڑھے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الیکشن

ایک جمہوری ملک میں الیکشن کرانا نہائیت ضروری ہے۔ ہمارا ملک ایک جمہوری ہے۔ جمہوری ملک میں عوام خود اپنی حکومت بناتے ہیں۔ اس کے لئے ملک میں ہر پانچ سال کے بعد عام چناؤ ہوتے ہیں۔ الیکشن میں ہر بالغ آدمی اپنی رائے کا پوری آزادی سے استعمال کر سکتا ہے۔

الیکشن کا سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں اُمیدواروں کے نام منتخب کئے جاتے ہیں۔ ہر سیاسی جماعت اپنے نمائندوں کے ناموں کا اعلان کرتی ہے۔ کچھ اُمیدوار آزاد بھی ہوتے ہیں جو کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہر اُمیدوار کا ایک چناؤ نشان ہوتا ہے مثلاً کانگریس کا چناؤ نشان بیلوں کی جوڑی، کانگریس (آئی) کا چناؤ نشان ہاتھ، نیشنل کانفرنس کا چناؤ نشان ہل، کسی کا سائیکل، کسی کا تیر وغیرہ۔

ہر ایک اُمیدوار الیکشن میں زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے تن من دھن سے کوشش کرتا ہے۔ الیکشن کی تیاریاں کئی مہینے پہلے سے شروع ہو جاتی ہیں۔ جگہ جگہ جلسے ہوتے ہیں۔ پوسٹر لگائے جاتے ہیں۔ اخبارات میں سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے مینوفیسٹو شائع کرواتی ہیں۔ بڑے بڑے وعدے لوگوں کو دئے جاتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکروں سے اعلان ہوتے ہیں۔ اُمیدوار گاؤں گاؤں، بستی بستی اور شہر شہر گھوم کر اپنے اپنے حلقے کے لوگوں سے ملتے ہیں اور ان سے ووٹ لینے کی اپیلیں کرتے ہیں۔

الیکشن کے دن بڑا ہنگامہ ہوتا ہے لوگ ووٹ ڈالنے کے لئے قطار در قطار دوڑے آتے ہیں مختلف اُمیدواروں نے اپنے اپنے خیمے لگا رکھے ہیں۔ ہر خیمہ پر ان کے چناؤ نشان لگے ہوتے ہیں ووٹ دینے والے اپنے پسندیدہ اُمیدوار یا پارٹی کے خیمے میں چلے جاتے ہیں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

وہاں فہرست میں اُن کا نام دیکھ کر ایک پرچی ملتی ہے جس کو دکھا کر وہ آدمی پولنگ بوتھ میں داخل ہو سکتا ہے اور اپنا ووٹ ڈال سکتا ہے۔

الیکشن کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں میں اب اپنی رائے استعمال کرنے کا خیال پہلے سے زیادہ ہوتا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ آئندہ لوگوں میں سیاسی بیداری بڑھے گی اور وہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں گے۔

حُبّ الوطنی

اپنے ملک اور وطن سے محبت کرنے کا نام حب الوطنی ہے۔ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو انسان اور حیوان دونوں میں پایا جاتا ہے بلکہ بے زبان چرند اور پرند میں بھی اس کا جذبہ موجود ہے۔ وطن کی محبت اُن پر بھی گہرا اثر ڈالتی ہے۔

یہ قدرتی بات ہے کہ جس جگہ انسان پیدا ہوگا اُس کے دیکھنے کا خیال ضرور اس کے دل میں گدگدائے گا۔ خواہ کوئی آدمی کسی غیر ملک میں کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو پھر بھی وطن کی یاد اُسے ضرور ستائے گی۔

حُب وطن، وہ نور ہے جو ہر سینہ کو منور کئے ہوئے ہے وطن کی قدر کسی جنگل میں بھولے ہوئے مسافر سے پوچھئے۔ وطن کی قدر کسی جلاوطن یا کسی قیدی سے دریافت کیجئے جب اسے اپنا وطن، اپنے ہم وطن، رشتہ دار، دوست و غمخوار اور بہن بھائی یاد آتے ہیں تو وہ کس طرح خون کے آنسو روتا ہے۔

وطن کی محبت کا جذبہ جو ایک قیدی پرندے کے دل میں موجزن ہے جب وہ چہکتا ہے تو اُس کا چہکنا اُسی جذبہ کو ظاہر کرتا ہے۔ ؎

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محبانِ وطن کی خدمات ہمیشہ بے لوث اور مخلصانہ ہوتی ہیں یہ خود غرضی اور لالچ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ مسلمان کے رہبر کا ارشاد ہے کہ وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے ؎

وطن پر فدا ہے جو انسان ہے ٭ کہ حبِ وطن جزوِ ایمان ہے

صحیح معنوں میں محبِ وطن وہی ہے جس کے دل میں حبِ وطن کا سچا اور حقیقی جذبہ موجزن ہو۔ کیونکہ حقیقی محبِ وطن ہی اپنی اَن تھک اور سر توڑ کوششوں سے اپنے وطن کی تجارت، تعلیم، تہذیب اور صنعت و حرفت کو چار چاند لگا دیتا ہے تاکہ اُس کا وطن میدانِ ترقی میں سب سے آگے نکل جائے۔

علامہ اقبال کا فلسفہ وطنیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے وطن کی خاک کے ایک ایک ذرہ کو دیوتا کہہ کر پکارتے ہیں۔

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

وقت کی پابندی

ہر کام کو اپنے خاص موقعہ اور وقت مقررہ پر کرنے کا نام وقت کی پابندی ہے۔ وقت کی قدر کرنے والا اپنے تمام کام مناسب وقت پر سرانجام دیتا ہے۔ دُنیا میں ہماری زندگی بالکل تھوڑی ہے اور کام بیشمار ہیں۔ اس لئے اس مختصر زندگی میں تمام کام سرانجام دینے ہوتے ہیں اگر ہم وقت کی پابندی کا خیال نہ رکھیں تو ان سب کاموں کو ہم کس طرح سرانجام دے سکتے ہیں ؎

جو ہر کام کرتا ہے وقت پر ٭ ملے اُس کو آرام شام و سحر
گنوائے گا عاقل نہ بیکار دن ٭ کہ انسان کی ہے زندگی چار دن

دُنیا میں ایک شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو وقت مقررہ پر کام ختم کرنے کا عادی ہو۔ اور

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنا ذرا سا وقت بھی ضائع نہ کرے۔ جس آدمی نے وقت سے غفلت کی۔ اُس نے اپنی زندگی سے ہاتھ دھولیا۔ اور جس نے وقت کی قدر کی اُس نے زندگی کا حقیقی مقصد حاصل کر لیا۔ وقت دولت ہے بلکہ قدر و قیمت میں دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔ وقت کی پابندی سے دولت پیدا ہوتی ہے۔

قدرت نے بھی تمام نظام قدرت کی بنیاد پابندئ وقت پر رکھی ہے۔ اور اس سے انسان کو پابندئ وقت کا سبق سکھایا ہے۔ سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا وقت مقرر ہے ستاروں کا طلوع و غروب ہونا۔ دن رات کی تبدیلی، سردی گرمی، بہار، خزاں کی آمد و رفت کے وقت مقرر ہیں۔ درختوں اور پودوں کی نشو و نما کا خاص وقت ہوتا ہے اگر اوقات کی پابندی میں ذرا سا بھی فرق پڑ جائے تو دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے۔

جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ کبھی بھی دُنیا میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے اُن کا ہر کام اُدھورا رہ جاتا ہے وہ ہرگز دُنیا میں ترقی نہیں کر سکتے۔

یُوں تو ہر انسان کے لئے وقت کی پابندی لازم ہے مگر خاص کر طلباء کے لئے وقت کا پابند ہونا نہایت ضروری ہے۔ جو طلبا پابندئ وقت کے عادی ہوتے ہیں وہ اپنا ہر کام وقت مقررہ پر شروع کرتے ہیں اور وقت مقررہ پر ہی ختم کر لیتے ہیں۔ وہ آج کا کام کل پر نہیں چھوڑتے اور زندگی میں کامیاب رہتے ہیں۔

شری راجیو گاندھی

شری راجیو گاندھی شری فیروز گاندھی اور شریمتی اندرا گاندھی کے بڑے بیٹے ہیں۔ آپ کا جنم ۲۰ اگست ۱۹۴۴ء کو ہوا۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اسکول ڈیرہ دون سے شروع کی۔ اس کے بعد آپ دو برس تک امپیریل انڈسٹریل سائنٹفک کالج لندن میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور دو برس

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ٹرنیٹی کالج کیمبرج میں پڑھ کر آپ نے میکینیکل انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی۔

آپ ۱۹۶۵ء کے وسط میں بھارت واپس آئے اور آپ نے چودہ سال تک انڈین ایئرلائنیز میں بطور چیف پائلٹ کام کیا۔ آپ وہاں کیپٹن راجیو کے نام سے پکارے جاتے رہے نہ کہ راجیو گاندھی کے نام سے۔

آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سنجے گاندھی کی موت کے چار برس بعد سیاست میں قدم رکھا اور عوامی زندگی میں داخل ہوئے۔ آپ کی زندگی میں یہ ایک ایسا موڑ آیا کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے پردھان منتری بنے۔ ہاں کے ہوتے ہوئے آپ پالیٹکس میں آنا نہیں چاہتے تھے لیکن بھارت کی پارلیمنٹ کے ۳۰۰ ممبران کے اصرار پر آپ سیاست کے میدان میں کود پڑے بلکہ آپ کو سیاسی بھوک نہ تھی۔ اب ملک کا پردھان منتری بننے پر آپ ایک جہاز کے پائلٹ نہیں ہیں بلکہ دیش کے ستر کروڑ لوگوں کے جہاز کو چلانے کا کام آپ کے کندھوں پر آن پڑا ہے۔ آپ نے ۱۹۸۱ء میں امیٹھی کے حلقہ سے لوک سبھا کا چناؤ جیتا۔ فروری ۱۹۸۳ء میں کانگریس آئی کے جنرل سیکرٹری بنے۔ دسمبر ۱۹۸۴ء میں پارلیمنٹ کا چناؤ جیت کر ۳۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو پارٹی لیڈر چنے گئے۔ اکتیس دسمبر ۱۹۸۴ء کو پردھان منتری کی حیثیت سے اپنی نئی وزارت کی تشکیل دی۔ آپ نے عوام کو بار بار ایک صاف ستھری ایڈمنسٹریشن دینے کا یقین دلایا ہے یقین کامل ہے کہ نوجوان وزیر اعظم اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے ملک اور قوم کو دنیا بھر کے ممالک کی صف اوّل میں کھڑا کر دیں گے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قومی یک جہتی

یک جہتی وطن پرستی کی اہم شرط ہونے کے علاوہ ملک کے سامنے درپیش مسائل کو حل کرنے کی راہ بھی ہے۔ بھارت ایک جمہوریت ہے جس میں کئی صوبے شامل ہیں۔ بھارت کے اِن صوبوں کی زبان، مذہب، ذات وغیرہ کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔ یہاں ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سب مل کر ایک ساتھ رہتے ہیں اور سب کے حقوق برابر ہیں۔ بھارت میں مختلف صوبوں کی مختلف زبانیں ہیں۔ اتنی زبانیں دوسرے کسی ملک میں نہیں بولی جاتی۔ سترہ زبانیں تو ہمارے آئین میں درج ہیں اس کے علاوہ چار سو کے قریب مختلف گاؤں کی بولیاں ہیں۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اور سندھ سے دریائے بنگال کی کھاڑی تک اس بڑے ملک میں جغرافیائی اور قدرتی طور پر بھی کافی فرق پایا جاتا ہے پھر بھی سارا ملک صدیوں سے ایک ہی تہذیب و تمدن سے ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ اور اتنا اختلاف ہونے پر بھی یک جہتی اس ملک کی اہم خوبی ہے۔ ویسے تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے تو بھارت کی ایکتا کئی صدیوں کی تھی لیکن سیاسی لحاظ سے آزادی کے بعد کشمیر، پنجاب، اُتر پردیش، بہار، اڑیسہ، بنگال، مہاراشٹر، گجرات، راجستھان، تامل ناڈو، کریل اور کرناٹک وغیرہ مختلف صوبے مل کر ایک ملک بنا۔

سنہ 1962ء میں چین نے ہمارے ملک پر حملہ کیا۔ سب اہلِ وطن نے مل کر اس خطرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور تبھی سے 25۔ اکتوبر کا دن ہر سال قومی یک جہتی کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم دل و جان سے بھارت کی یک جہتی کے لئے اور اسکی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہیں گے۔ اور کوئی ایسا کام نہیں کریں گے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جس سے ملک کی سالمیت کو خطرہ پیدا ہو۔ ہم ملک کے تئیں وفادار اور ایماندار رہیں گے
مذہبی تعصب فرقہ پرستی اور صوبائی جھگڑوں میں اپنے ملک کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔
ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے۔ یہاں مختلف مذہب اور فرقے ہیں۔ آپسی بھائی چارے
اور محبت سے رہ کر ہم جہاں ملک کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں وہاں انسانیت کی خدمت کر سکتے
ہیں۔ اس لئے مذہب اور فرقہ کے نام پر لڑنا جھگڑنا چھوڑ کر ہر ایک قومی یک جہتی اور اتحاد
کو برقرار رکھنا ہم سب کا فرض اولین ہوگا۔

آج کل کچھ سیاستدان اور مذہبی لیڈر اپنی اہمیت کو بڑھانے کے لئے اور سیاسی
میدان میں اپنی طاقت کا سکہ جمانے کے لئے سیدھے سادھے عوام کے جذبات کو بھڑکا
کر ان کو آپس میں لڑا کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ کئی صوبوں میں اس طرح قتل و غارت، آگ زنی
لوٹ مار کی وارداتیں ہوتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر ایسے واقعات
کی مذمت کریں اور لوگوں کو آپسی بھائی چارے کی تلقین کریں۔

بے شک ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک کو
کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ نفرت اور علیحدگی کا بیج بوئیں۔ کئی غیر ممالک بھی بھارت
کی ترقی کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اس ملک
کی سالمیت کے لئے خطرہ پیدا کریں۔ ہمیں ان سب کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔
ہمیں ایسے لوگوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے جو بھارت میں رہ کر دوسرے ملکوں
کی تعریف اور طرفداری کرتے ہیں اور ان ملکوں کے جاسوسوں سے مل کر اپنے
ملک کے ساتھ غداری کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سختی سے کچل دینے کی
ضرورت ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

ہم سب کو صوبہ پرستی، فرقہ پرستی، مذہبی تعصب، زبان کے جھگڑے اور دوسری سب ایسی باتوں کے خلاف جن سے ملک کی سالمیت اور خطرہ ہو متحد ہو کر لڑنا ہوگا۔ اور ملک میں پیار و محبت اور آپسی بھائی چارے کے لئے گھر گھر جا کر لوگوں کو یہ سمجھانا ہوگا کہ ہم سب بھارتی پہلے ہیں اور ہندو، مسلمان، سکھ یا عیسائی، مدراسی، بنگالی، پنجابی، گجراتی بعد میں۔ اسی سے قومی یکجہتی مضبوط ہوگی اور ملک خوشحال ہوگا۔

(J&K BOARD – APRIL-1985)

ایک یادگار واقعہ

انسان کی زندگی میں روزانہ کئی طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں لیکن زندگی میں کئی واقعات ایسے ہوتے ہیں جو کبھی بھلائے نہیں جا سکتے۔ ایسا ہی ایک عجیب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا تھا۔

میں ہائیر سیکنڈری پارٹ فسٹ میں پڑھ رہا تھا۔ گرمی کی چھٹیوں میں میرے ایک دوست کے بھائی کی شادی تھی۔ میرا دوست گاؤں میں رہتا تھا اور شادی بھی گاؤں میں ہی ہونی تھی۔ میں اور میرا ایک دوسرا دوست رمیش بارات کے لئے مدعو تھے۔ گاؤں جموں سے تقریباً 25 کلومیٹر پر تھا۔ اور بارات وہاں سے آگے تقریباً دس بارہ کلومیٹر دور دوسرے گاؤں میں ایک خوشحال زمیندار کے گھر جانی تھی۔ ہم دونوں دوست ایک دن پہلے ہی گاؤں پہنچ گئے۔ بارات والے دن شہر سے ڈھول اور باجے منگوائے گئے تھے۔ اگرچہ میرے دوست کے گھر والوں کی مالی حالت سفید پوشی تک محدود تھی پھر بھی اپنی عزت اور شان تو بڑھا کر دکھانی پڑتی ہے۔ بارات میں جانے کے لئے کپڑے شہر سے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ڈرائی کلین کر کے منگوائے گئے۔ خوب سج سنور کر سب باراتی ۴ بجے کے قریب چلنے کو تیار ہو گئے۔ سفر لمبا تھا اس لئے سب نے اپنے اپنے کپڑے ساتھ لے لئے تاکہ وہاں پہنچکر بدل لیں۔ دولہا کے کپڑے جوتے اور سنور نے کا سامان ایک نائی کے حوالے کیا گیا اور اُسے تاکید کی گئی کہ سامان کو حفاظت سے لے کر چلے اور باراتیوں کے ساتھ ساتھ ہی رہے گاؤں کی بارات تھی، دس بارہ کلومیٹر تو گاؤں والوں کے لئے معمولی بات ہوتی ہے۔ سب پیدل ہی تھے لیکن کچھ سائیکل سوار تھے اور شہر سے دو چار مہمان اپنے سکوٹر بھی لائے تھے۔ دولہا کے اٹیچی کا بوجھ زیادہ جان کر نائی نے ایک سکوٹر والے سے جان پہچان نکال کر اُس کے سکوٹر پر پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنا لی۔ اٹیچی اُس نے اپنے آگے رکھ لی۔ آدھا راستہ طے کرنے پر بارات ایک جگہ رُک گئی اور تھوڑی دیر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ دوبارہ چلنے پر نائی صاحب اٹیچی وہیں بھول گئے اور جلدی ہی آچک کر اسکوٹر پر بیٹھ گئے۔

لڑکی والوں کے گاؤں پہنچنے پر بارات کی بڑی آؤ بھگت ہوئی چائے پانی مٹھائی وغیرہ سے خاطر مدارت کی گئی۔ بارات کو ایک سکول میں ٹھہرایا گیا۔ بارات کا لڑکی والوں کے گھر پہنچنے کا وقت ۸ بجے تھا۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سب باراتی دوبارہ تیار ہونے لگے۔ دولہا میاں بھی نہا دھو کر تیار ہو گئے اور اپنے کپڑے مانگے۔ اب نائی کی تلاش شروع ہوئی وہ کہیں مل ہی نہیں رہا تھا۔ نائی کا خاندان کئی پشتوں سے دولہا میاں کے خاندان سے وابستہ تھا اور اُس کا کپڑے لے جا کر بھاگ جانا خارج از بحث تھا۔ سب طرف دوڑ دھوپ شروع ہو گئی لیکن نائی ندارد۔ دولہا میاں پرانے کپڑے انتظار میں تھے کہ کب نائی آئے اور کپڑے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

بدلیں۔ وقت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اور دولہا میاں کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ ۸ بج گئے، نائی کا پھر بھی پتہ نہ تھا۔ آخر ایک سکوٹر والے صاحب کو واپس بھیجا گیا کہ نائی کا پتہ کرے، تقریباً آدھے گھنٹے بعد سکوٹر والے صاحب نائی کو لے کر آئے۔ بات ایسی ہوئی کہ دولہن کے گاؤں پہنچ کر جب نائی کو اپنی غلطی معلوم ہوئی تو وہ ناراضگی کے ڈر سے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور واپس گاؤں آ گیا۔ راستے میں اٹیچی تلاش کرنے کا خیال اس کے دماغ میں آیا ہی نہیں۔ گھر پہنچ کر اُس کی بیوی نے سارا ماجرا سُن کر اُسے راستے میں اٹیچی تلاش کرنے کے بارے میں پوچھا۔ تب نائی دوبارہ دلہن کے گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ اور راستے میں اٹیچی تلاش کرتا گیا۔ اُدھر سے سکوٹر والے صاحب بھی آ گئے اور جہاں اٹیچی پڑی تھی وہاں اُن دونوں کی ملاقات ہو گئی اور وہ نائی کو اٹیچی کے ساتھ واپس لائے۔ اگر نائی خوف سے نہ بھاگتا اور اسی وقت اپنی غلطی بتلا دیتا تو اتنی دیر بارات کو انتظار نہ کرنا پڑتا۔ خدا خدا کر کے ۱۰ بجے بارات لڑکی والوں کے گھر پہنچی جو کہ اس دیری سے بہت پریشان ہو گئے تھے۔ مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتا ہوں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

۱۔ اصناف ادب

مختصر نوٹ :۔ داستان۔ ناول۔ انشائیہ افسانہ۔
طنز و مزاح۔ مقالہ

2۔ اردو گرائمر

محاوروں اور ضرب المثلوں کا جملوں میں استعمال
واحد کی جمع اور جمع کی واحد

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

داستان

داستان ایسی رومانی کہانی کو کہتے ہیں جس میں خیالی واقعات کا بیان، مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزی، حسن و عشق کی رنگینی، واقعات و حادثات کی بہتات و پیچیدگی اور بیان کی لطافت ہو، اور اس کا مقصد اپنے قاری کو فرحت و مسرت کا سامان فراہم کرنا ہو۔

داستانیں ایسے دور میں رواج پاتی ہیں جو سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے زوال پذیر ہو۔ داستانوں کی ابتدا کس طرح ہوئی اور کس طرح انہوں نے اپنی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ ہندوستان ہمیشہ سے قصے کہانیوں کا ملک رہا ہے یہ دیوی دیوتاؤں کی جنم بھومی ہے۔ یہاں مہابھارت، رامائن، ہتوپدیش جیسے قصے کہانیوں نے جنم لیا ہے۔ شاہی درباروں اور عوام میں اُن کا رواج رہا ہے۔ درباروں میں تو جس طرح دوسرے اہل علم و فن ملازم رکھے جاتے تھے، اسی طرح داستان گو بھی ملازم رکھے جاتے تھے جو کہ بادشاہوں کو داستانیں سنایا کرتے تھے۔

ہمارے بہت سے قصے اور داستانیں ایسی ہیں جو پہلے سنسکرت میں لکھی گئیں۔ اور یہاں سے وہ عرب و ایران گئیں۔ عربی فارسی میں اُن کے ترجمے ہوئے اور عربی اور فارسی کے ذریعے وہ اردو میں آئیں۔ مثلاً بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، گل بکاؤلی اور طوطا کہانی وغیرہ۔ کچھ داستانیں ایسی ہیں جو عرب و ایران میں تصنیف ہوئیں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آئیں اور یہاں اُن کے ترجمے ہوئے جیسے سب رس

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الف لیلیٰ وغیرہ۔ اس کے علاوہ کچھ داستانیں ایسی بھی ہیں جو پہلے پہل ہندوستان ہی میں فارسی میں لکھی گئیں اور بعد میں اُن کے اردو ترجمے ہوئے مثلاً طلسم ہوش ربا، باغ و بہار وغیرہ۔ کچھ داستانیں اُردو کی طبع زاد ہیں جیسے فسانۂ عجائب۔

اُردو کی داستانوں کی ابتداء اُن منظوم قصّوں سے ہوتی ہے جو دکن میں لکھے گئے۔ یہ منظوم قصے حسن و عشق کی رنگینیوں رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں، سحر و دھمال کی لذتوں اور مافوق الفطرت عناصر کی تحیر خیزیوں سے معمور ہیں۔ اس دور کی چند مشہور منظوم داستانیں سیف الملوک، علی نامہ اور قطب مشتری ہیں۔

شمالی ہندوستان کے منظوم قصوں میں میر کی مثنوی شعلۂ عشق، دریائے عشق، میر اثر کی مثنوی خواب و خیال، میر حسن کی مثنوی سحر البیان اور دیاشنکر نسیم کی مثنوی گلزار نسیم اپنی خوبیوں اور اثر انگیزی کی وجہ سے مشہور رہیں۔

ان قصّوں نے جزوی طور پر منظر نگاری، جذبات نگاری اور زبان و بیان کا ایسا مواد عطا کیا ہے جو آئندہ چل کر اُردو نثر کی ابتداء و ارتقاء میں مفید و معاون ثابت ہوا۔

ناول

اُردو ادب میں ناول نگاری کی صنف مغرب اور مغربی ادب کے اثر کے تحت متعارف ہوئی۔ اس صنف سے مشرقی ذہن نے اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ مطابقت پیدا کی کہ بہت ہی قلیل عرصہ میں اسے اعلیٰ ادبی مقام حاصل ہو گیا اور قابلِ اعتراف فنکاروں کی ایک بہت بڑی تعداد عالمِ وجود میں آگئی۔

اُردو ناول کا عروج صحیح معنوں میں منشی پریم چند سے شروع ہوتا ہے۔ پریم چند کے بعد فنکاروں نے ناول کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ دی اور نئے موضوعات و فنی تجربے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کئے جو پریم چند سے قبل ممکن نہیں ہو سکے تھے چنانچہ اردو ناول نے مقصد اور فن کے لحاظ سے ارتقاء کی اتنی منزلیں طے کیں کہ اُن کا مطالعہ سنجیدہ علمی توجہ کا مستحق بن گیا۔

ناول کا فن ایک مخصوص نقطۂ نگاہ سے زندگی کی تصویرکشی کا فن ہے حقیقت کو تخلیق کا روپ دے کر یا تخلیق کو حقیقت کا جامہ پہنا کر اس طرح پیش کرنا کہ قصہ کی حیثیت سے اُس کے تمام اجزاء میں تال میل اور ہم آہنگی قائم رہے ناول ہے۔

فنی اعتبار سے ناول کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:۔

۱۔ پلاٹ، 2۔ ماحول، 3۔ واقعہ نگاری، 4۔ جذبات نگاری، 5۔ منظر کشی، 6۔ کردار، 7۔ مکالمہ، 8۔ زبان، 9۔ طرز بیان، 10۔ ادائیگی۔

1۔ پلاٹ:۔ قصہ کا اگلا واقعہ پچھلے واقعات کے ساتھ ربط اور تسلسل قائم رکھے تو اُس کو پلاٹ کہتے ہیں۔

2۔ ماحول:۔ دنیا کے حالات اور حادثات سے واقف ہونا ماحول کہلاتا ہے۔ یا اچھے اور بُرے اثرات قبول کرنا بھی ماحول ہے۔

3۔ واقعہ نگاری:۔ ناول کا ہر واقعہ ناول کی اثر انگیزی میں مسلسل اضافہ کرتا ہے اسے نقطۂ عروج پر پہنچا دیتا ہے۔

4۔ جذبات نگاری:۔ ناول میں جو جذبات، احساسات اور تخیلات بیان کئے گئے ہیں وہ جذبات نگاری کہلاتی ہے۔

5۔ منظر کشی:۔ منظر کشی ناول کے عناصر ترکیبی کا ایک ایسا جز ہے جو پڑھنے والے کے سامنے اس کی مکمل تصویر پیش کرے۔

6۔ کردار:۔ قول و فعل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک کردار جو زندگی کے مختلف پہلو پیش

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کرتے ہیں دوسرے قسم کے کردار سادہ جو ایک رُخ کو پیش کرتے ہیں۔

7۔ مکالمہ:۔ انسان کے جذبات و احساسات کا اظہار اُس کے بیان سے ہوتا ہے چنانچہ مکالمہ اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہے۔

8۔ زبان:۔ ناول کے کردار جو زبان استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ عام فہم آسان، سلیس اور سادہ ہے یا مشکل اور پیچیدہ ہے۔

9۔ طرز بیان:۔ ناول میں واقعات کو بیان کرنے کا جو ڈھنگ یا انداز برتا گیا ہے وہ طرز بیان کہلاتا ہے۔

10۔ ادائیگی:۔ ناول میں شامل کردار اپنا اپنا کام جس طریقے سے پیش کرتے ہیں وہ ادائیگی کہلاتا ہے۔

اُردو ناول کی ابتدا مولوی نذیر احمد کے ناول "مراۃ العروس" سے ہوئی جو 1869ء میں شائع ہوا۔ نذیر احمد اُردو کے پہلے اور بہت اہم ناول نگار ہیں جن کے ناولوں میں سماجی اور نفسیاتی شعور ملتا ہے۔ سرشار بھی ابتدائی ناول نگاروں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ فسانۂ آزاد اُن کا مشہور ناول ہے۔ شرر کی شہرت تاریخی ناول نگار کی حیثیت سے ہے۔ شرر کے بعد مرزا رسوا نے اُردو ناول کو فنی اعتبار سے بہت بلند کر دیا۔ اُن کا ناول "امراؤ جان ادا" ایک ایسی عورت کی خود نوشت سوانح ہے جس نے آوارگی میں زمانے کی سیر کی اور حالات کو مختلف انداز سے دیکھا اور برتا ہے۔

اُردو ناول کے تاریخی ارتقا میں پریم چند کا نام کئی لحاظ سے قابلِ احترام ہے اُن کے ناولوں میں اُن کے عہد کے سماجی مسائل، تقاضے، مٹتی ہوئی تہذیب کے نقوش، زمینداراانہ نظام کی بُرائیاں، بیمنوں کی لوٹ کھسوٹ، مزدوروں اور کسانوں کی حالت زار کے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نقشے کھینچے ہیں۔ کرشن چندر کا "شکست" بھی بڑی حد تک ترقی پسند ادب کی نمائندگی کرتا ہے۔ آزادی کے بعد پہلا بے حد اہم ناول "آگ کا دریا" ہے جو قرۃ العین حیدر کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ناول داخلی تجربے، زبان اور خواب و خیال کے ذریعہ سے بنی گئی تیکنیک کی بدولت اہم اور یادگاری ناول ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کا ناول "ایک چادر میلی سی" مختصر لیکن اس کے اشاراتی ادر کرداروں کی نفسیات کی گرہ کشائی نے اس میں یگانگت پیدا کر دی ہے۔

افسانہ

وقت اور فرصت کا اثر زندگی کے ہر حصے پر پڑا ہے اور فن جو زندگی کا حقیقی آئینہ دار ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو ایسے سانچوں میں ڈھال لیتا ہے جو زندگی کے مزاج سے مطابقت رکھتے ہیں اسی تبدیلی کا نتیجہ زندگی کے ہر شعبے میں دکھائی دیتا ہے۔ سماج کی طرح ہمارا ادب بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا اور نئی نئی اصناف ظہور میں آنے لگیں ان میں مختصر افسانہ بھی ہے۔

افسانے کی کہانی دراصل انسان کی مصروفیات اور اس کے گریز پا کی کہانی ہے اس کی مقبولیت بھی اسی سے جڑی ہوئی ہے۔ غمِ عشق کے ساتھ غمِ روزگار اور غمِ آفاق بھی ہے بھلا آج کے انسان کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ تفریح کے لئے ایسے مشاغل اختیار کرے جس میں کافی وقت درکار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق مختصر افسانہ کی بنیاد پڑی۔

آج کا مصروف ترین انسان مختصر سے وقفے میں آسانی سے ایک افسانہ پڑھ سکتا ہے اور اپنے ذہن کو تسکین اور سرور کا سرمایہ فراہم کر لیتا ہے۔ جس کی ضرورت اسے ہمیشہ سے رہی ہے اور آج بھی ہے اسی لئے آج کا افسانہ آج کے دور کی سب سے مقبول اور

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اہم صنف بن گیا ہے مختصر افسانے کی اپنی دُنیا ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ ضروری بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔

لغوی طور پر ہر قصے کو افسانہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ داستانوں اور افسانوں میں بہت فرق ہے۔ اردو میں افسانہ اُس مختصر قصہ کو کہا جاتا ہے جو زندگی کے کسی پہلو کا ترجمان ہو۔ افسانہ زندگی کے کسی ایک پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ افسانے کا فن بیانیہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک افسانے میں حقیقت کو اختصار کے ساتھ آسانی سے بے نقاب کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ افسانے کا اندازِ بیان دلچسپ اور پُر لطف ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ افسانے کی زبان ذہنی تصور کی زبان ہوتی ہے اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک مختصر افسانے کے لئے اختصار، وحدت، تاثر، پلاٹ، کردار اور واقعہ کا ہونا ضروری ہے۔

موضوع اور مواد ہی مختصر افسانے میں اندازِ بیان پیدا کرتے ہیں بقول ٹیوکس :-

"مختصر افسانے کی اپنی دُنیا ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ ضروری بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ایک نئی دُنیا پیدا کرے۔"

اُنیسویں صدی کے آخر میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے انسان کی مصروفیت بڑھیں۔ معاملات اور مسائل میں تبدیلی آئی اور پیچیدگی بڑھی۔ فرصت کے لمحات کم ہوتے گئے۔ اور وقت کی قیمت بڑھتی گئی مگر جمالیاتی ذوق کی تسکین کی ضرورت اپنی جگہ برقرار رہی۔ ادھر صنعتی انقلاب اور دوسری تبدیلیوں نے عوام کے مزاج اور مذاق میں بھی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ مسائل کی پیچیدگی نے ہر چیز کو نئے زاویئے سے دیکھنے پر مجبور کیا۔ مزاج کی اس تبدیلی کا اثر ادب کی ہر صنف پر ہوا۔ شاعری میں موضوع کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اسلوب اور ہیئت کے تجربے ہوئے۔ ناول بھی نئے سانچوں میں ڈھلا۔ مگر ضرورت کسی ایسے صنف ادب کی تھی جو کم سے کم وقت میں کہانیاں کہنے اور سننے کے شوق کو پورا کر سکے لہٰذا بے شمار صفحات کو سمیٹ کر چند صفحات کو قائم مقام بنایا گیا اور اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ بھوک پوری ہو یا نہ ہو لذت پوری حاصل ہو جائے اس طرح ناول نے کچھ تبدیلیوں کے بعد اختصار و جامعیت کے پیرائے میں افسانے کا روپ اختیار کیا۔

ڈرامہ

ڈرامہ کا ادب کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے ابتدا میں مذہبی حکایات و واقعات کی نقالی محض ایک اداکار کے ذریعہ سے سٹیج پر کی جاتی تھی مگر آہستہ آہستہ وقت اور حالات کی بنا پر اس میں کئی طرح کی تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ ایران ڈرامے کی ابتدا کرنے میں پیش پیش رہا۔ مگر ہم ہندوستان میں اس کی تاریخی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کالیداس، بھٹ اور بھوبھوتی کے ڈرامے عالمی ڈراموں کے کلاسیکی نمونوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

مگر اردو زبان میں ڈرامہ کا سرمایہ بہت ہی کم اور غیر اہم ملتا ہے اس کی وجوہات یہ سمجھی جا سکتی ہیں کہ ایک تو ڈرامہ کی جگہ لوگ راگ و رنگ، رقص و سرود پسند کرتے تھے۔ سوانگ اور نوٹنکی مقبول تھی دوسرا اس وقت کا معاشری ڈرامے کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا اس کی مثال امانت کی "اندر سبھا" ہے۔

امانت خود ڈرامہ کو معیوب سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی شخصیت کو بھی استاد میں چھپا دیا۔ بعد میں ڈرامہ کی شہرت و مقبولیت کی بنا پر نام ظاہر کر دیا۔

اردو ڈرامہ کو اٹھانے اور ابھارنے میں واجد علی شاہ کا نمایاں طور پر زور

CC0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

حصہ ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل برسوں میں اردو ڈرامہ کو فروغ ہوا۔ اب ڈرامہ مذہبی اور لکھنوی رنگین فضا سے ہٹ کر نئی روش پر آ گیا۔ اس میں بمبئی کے پارسیوں نے نمایاں کام کیا۔ قومی کارناموں پر اہمیت دی گئی۔ رستم و سہراب اس کی بہترین مثال ہے۔

انگریزی اثر نے ڈرامہ کو نئے موڑ پر لا کھڑا کیا۔ آغا حشر کاشمیری کے ڈرامے ہمارے سامنے ہیں۔ انہوں نے شیکسپیئر کے ڈراموں کو اس طرح اپنایا کہ مغربی ڈرامہ مشرقی قالب میں ڈھل گیا۔ اس کے علاوہ آغا حشر نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے اردو ڈرامہ کو اور بلند کیا۔ زبان سنور گئی۔ تحریر میں جذبے و فکر کا حسین امتزاج ہوا یعنی ایک معیاری رنگ ڈھنگ پیدا ہو گیا۔

آغا حشر نے شیکسپیئرین ڈراموں کے علاوہ طبعزاد ڈرامے لکھ کر بھی عوام کی رائے جیت لی۔ المیہ اور طربیہ دونوں کے لکھنے کے انداز میں شدت کو دخل رہا جو عوام کے دل و دماغ پر گہرا اثر انداز ہوا۔

مدت تک آغا حشر کے بعد کوئی اعلےٰ تخلیق نہ ہو سکی۔ نہ ہی جدت ہو پائی۔ 1905ء میں مولانا ظفر علی خان کا ڈرامہ "جنگ روس جاپان"۔ قومی بیداری اور "قصہ حسن و عشق" لے کر عوام کے سامنے آیا۔ موضوع اگرچہ نیا تھا۔ مگر روش پرانی ہی رہی۔

امراؤ علی کے ڈرامے "البرٹ بل" نے شائستگی کے انداز سے طنز و مزاح کا رنگ پیش کیا یہ نیا تجربہ تھا۔

منشی کشن چند زیبا کے "زخمی پنجاب" نے سیاسیات کا رنگ اپنایا اور "زود پشیمان" میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ڈرامے کا [illegible] نیا تجربہ [illegible] ڈرامہ [illegible] عبدالحلیم شرر

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نے تاریخ و مذہب کے رنگ میں ڈرامے لکھے۔

اب اس دور میں ایک نئی تبدیلی آجاتی ہے وہ ہے سینما۔ عوام اس میں زیادہ دلچسپی لینے لگے اور سٹیج ڈراموں کا زمانہ قریب قریب ختم ہونے لگا۔ اب ڈرامہ محض سکول و ریڈیو پروگرام تک محدود رہ گیا۔

ڈرامہ جب اس کمزور اور شکستہ موڑ پر پہنچنے لگا تو اچانک غیر اطمینان بخش رفتار میں ایک برقی رو دوڑ گئی۔ ترقی ادب کا علم تھامے تاج نے انارکلی پیش کر دیا جس نے پہلے مصنفین کی کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال آج بھی اردو ادب میں نہیں ملتی۔ اس کی زبان، ترتیب اور کہانی ہر حیثیت سے مکمل سمجھی جاتی ہے۔

سوانح

سوانح سے مراد ہے کسی شخصیت کی آپ بیتی۔ سوانح خود نوشت بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بہت سے اصحاب اپنی آپ بیتی کے کسی بھی حصے میں خود لکھتے ہیں اور ایسی تصنیفوں کو "خود نوشت سوانح" کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن خالص سوانح وہ ہوتی ہے جو کوئی شخص خود اپنے بارے میں تحریر نہ کرے بلکہ اس کی زندگی پر کوئی دوسرا شخص تحقیق کر کے لکھے۔

سوانح نگاری کو اردو میں ایک علیحدہ صنف کا درجہ حاصل ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں مولانا حالی اور مولانا شبلی نے جب اردو میں سوانح نگاری کا آغاز کیا تو انہوں نے فارسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں سوانح نگاری کے جو اصول رہے ہیں ان سے فائدہ اٹھایا۔ سوانح میں عام طور پر زندگی کے کسی خاص شعبے سے تعلق رکھنے والی کسی مشہور اور ممتاز ہستی کے حالات زندگی اور اس کے کارناموں کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ اس میں ضروری ہوتا ہے کہ پہلے سوانح نگار تحقیق کر کے تمام ضروری مواد جمع کرے اور پھر اسے اس طرح ترتیب دے کر

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پیدائش سے موت تک زندگی کے تمام اہم واقعات اور کارنامے ایک مرقع کی صورت میں سامنے آجائیں۔ حالی کی حیاتِ جاوید، شبلی کی الفاروق، قاضی عبدالغفار کی آثار ابوالکلام آزاد اور غلام رسول مہر کی غالب اردو میں سوانح نگاری کے قابلِ قدر ادبی نمونے ہیں۔

مقالہ

عام طور پر انگریزی یا اردو کے اخباروں اور رسالوں میں مختلف موضوع پر صحافتی یا علمی انداز میں جو مضامین لکھے جاتے ہیں ان کو مقالہ کہتے ہیں۔ مقالہ کسی بھی موضوع کو لے کر لکھا جا سکتا ہے سماجی، اقتصادی، کھیل، سیر و تفریح، شکار غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ ان مقالوں میں معلومات اور سنجیدہ دلائل پر سارا زور صرف ہوتا ہے۔

انشائیہ

انشائیہ نگاری کی صنف اردو میں انگریزی سے آئی ہے۔ انگریزی میں اسے ایسے (ESSAY) کہتے ہیں۔ عام طور پر اردو کے اخباروں اور رسالوں میں کسی خاص موضوع پر صحافتی یا علمی انداز کے جو مضامین یا مقالے لکھے جاتے ہیں انشائیہ ان سے مختلف ہوتا ہے۔ ان مضامین میں معلومات اور سنجیدہ دلائل پر سارا زور صرف ہوتا ہے جبکہ انشائیہ میں انشائیہ نگار بے تکلفی سے بے ساختہ اور غیر علمی انداز سے اپنی بات کہتا ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اور زیادہ تر اپنے تجربے اور اپنے ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر ہی اپنے تاثرات بیان کرتا ہے اس کے سامنے کوئی خاص اصلاحی مقصد نہیں ہوتا وہ تو اپنے دل کی باتیں مزہ لے لے کر بیان کرتا ہے لیکن ان باتوں میں تازگی، ندرت اور شگفتگی ہونا ضروری ہے۔ اس کے تجربے زندگی پر ایک نئے زاویئے سے روشنی ڈالتے ہوں۔

ساتھ ہی اس کی اپنی ذات اور شخصیت کا انکشاف بھی کرتے ہوں۔ اردو میں عبدالحلیم شرر، فرحت اللہ بیگ، سجاد انصاری اور رشید احمد صدیقی نے بھی اعلیٰ معیار کے انشائیے لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ادیبوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ عصر حاضر میں نظیر صدیقی اور وزیر آغا نے اس صنف کی طرف توجہ کی ہے اور کامیاب انشائیے لکھے ہیں۔

طنز و مزاح

طنز و مزاح ہنسنے ہنسانے اور دل بہلانے کا ایک مشغلہ ہے۔ یہ ایک دماغی خوراک ہے اس سے دماغ کو فرحت پہنچتی ہے کسی کو رلانے کے مقابلے میں ہنسانا ایک دشوار کام ہے اور پھر شاعر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہتا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو ہنسانے کا بیڑا اٹھائے تو یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔

اردو نثر میں طنز و مزاح کا آغاز "اودھ پنچ" سے ہوا جو انگریزی اخبار "پنچ" کے نمونے پر شائع ہوا۔ البتہ اس سے پہلے بھی اردو میں ظرافت اور مزاح کے بعض اچھے نمونے ملتے ہیں۔ انیسویں صدی میں غالب سب سے بڑا شاعر اور نثار ہوا ہے وہ ظرافت میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ غالب کے خطوط پاکیزہ ظرافت سے معمور ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا غالب کا کمال تھا۔ غالب کے خطوط کے بعد [illegible] مولوی نذیر احمد کا ناول

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

"مراۃ العروس" چھپا۔ اس میں جا بجا ظرافت کی مثالیں ملتی ہیں۔ صحیح معنوں میں ظرافت نگاری سنہ 1877ء میں "اودھ پنچ" اخبار ہی سے شروع ہوئی۔ اس کے ایڈیٹر سجاد حسین تھے اور اس میں مضامین لکھنے اور شائع کرانے والے رتن ناتھ سرشار، مچھو بیگ ستم ظریف، تربھون ناتھ ہجر، احمد علی شوق اور اکبر الہ آبادی تھے۔

اس کے بعد نئی تہذیب پھیلنے لگی اور پھر مزاحیہ نگاری میدان میں اتری۔ وہ قدیم اور جدید کے درمیان کی کڑی تھی۔ اس دور کے مشہور مزاحیہ نگار تین تھے، سید محفوظ علی، مولانا ظفر علی خان اور سلطان حیدر جوش۔

اردو ادب میں مزاحیہ نگاری کا تیسرا دور جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا۔ اس دور کے مشہور مزاحیہ نگار اور طنز نگار فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری اور رشید احمد صدیقی ہیں۔ فرحت اللہ بیگ محاورہ اور روزمرہ کی چاشنی سے لطف پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس پطرس کے مضامین میں ذہانت اور مشاہدہ کارفرما ہے۔ ان میں مغربیت پسندی پائی جاتی ہے۔ ان کے غیر فانی شاہکار "مرید پور کا پیر"، "کتے"، "لاہور کا جغرافیہ"، "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی"، "بائیسکل" وغیرہ ہیں۔ رشید احمد صدیقی قدامت اور جدت بھی مشرقیت اور مغربیت دونوں سے کام لیتے ہیں۔

موجودہ دور میں کامیاب مزاحیہ نگار عظیم بیگ چغتائی، شوکت تھانوی، ملا رموزی وغیرہ ہیں۔ ان کی سوجھ بوجھ اچھی ہے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی، حسن نظامی اور امتیاز علی تاج کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ کنہیا لال کپور نے طنز نگاری میں بڑا نام پایا ہے۔ ان کے دوست انہیں بچھو کہتے ہیں۔ ان کے مشہور شاہکار سنگ و خشت، نوک و نشتر، جنگ و رباب، شیشہ و تیشہ وغیرہ افسانوں اور مضمونوں کے مجموعے ہیں۔ ان کی طنز اور ظرافت شستہ شائستہ ہے۔ انہیں [illegible]

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات

محاورہ۔ وہ کلام جس کے معنی غیر موضوع لفظ میں استعمال ہوتے ہوں محاورہ کہتے ہیں۔ محاورہ کم از کم دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے۔ محاورہ قواعد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرتا مثلاً آب آب ہونا، سبز باغ دکھانا، دم دینا۔

ضرب الامثال

ضرب المثل کسی خبر یا واقعہ کے متعلق اُس وقت ضرب المثل بنتی ہے جب ہم اس کو ہزاروں دفعہ تجربہ کر کے اس کی حقیقت اور ماہیت سے خوف واقف ہو جاتے ہیں مثلاً چور کی داڑھی میں تنکا، گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، اندھیر نگری چوپٹ راجہ، ایک پنتھ دو کاج، تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔

واحد اور جمع

گنتی کے لحاظ سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔ واحد اور جمع۔

واحد:۔ ایسے اسم جو صرف ایک چیز کے لئے مستعمل ہوں واحد کہلاتے ہیں۔ مثلاً لڑکا، کتاب، گھوڑا۔

جمع:۔ ایسے اسم جو ایک سے زیادہ چیزوں کے لئے بولے جائیں جمع کہلاتے ہیں۔ مثلاً لڑکے، کتابیں، گھوڑے۔

گلشن محاورات

محاورات	معانی	استعمال
آب آب ہونا۔	غم کی زیادتی سے گھبرا جانا	؎ دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں بیٹا تو کنوئیں میں پدر چاہِ الم میں
آڑے ہاتھوں لینا	ذلیل کرنا۔	میں نے آج پرویز کو آڑے ہاتھوں لیا۔
آگ بگولا ہونا۔	سخت غصے میں آنا۔	آپ کس بات پر آگ بگولا ہو گئے۔
آگ پر لوٹنا۔	حسد کرنا۔	؎ جب سے کی اُس شوخ نے مجھ پر نظر آگ پہ ہے لوٹتا میرا رقیب

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آب و دانہ اُٹھ جانا۔	مر جانا۔	اُس کا آب و دانہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے اُٹھ گیا۔
آنکھیں چُرانا۔	شرمانا۔ کترانا	؎ کیوں چُراتے ہو دیکھ کر آنکھیں کر چکیں میرے دل میں گھر آنکھیں
آنکھ لگنا۔	محبت ہونا۔	؎ آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
آنکھیں ملنا	اشارہ کرنا	؎ بے تابیٔ دل اُبھارتی ہے۔ عزّت مگر آنکھ مارتی ہے۔
آنکھیں پھیر لینا۔	بے وفائی کرنا	ع۔ کیسی آنکھیں پھیر لیں مطلب نکل جانے کے بعد۔
آنکھیں چار ہونا۔	ملنا۔ محبت ہونا۔	؎ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے
آنکھیں نکالنا۔	غصّے ہونا۔	؎ داغ آنکھیں نکالتے ہیں وہ اُن کو دے دوں آنکھیں نکال کر
بُلائیں لینا۔	بہت پیار کرنا۔	ماں اپنے بچّے کی بلائیں لیتی ہے۔
باچھیں کھلنا۔	بہت خوش ہونا۔	ایم۔اے کے امتحان میں بیٹے کی کامیابی کی خبر سُن کر بوڑھے ماں باپ کی باچھیں کھل گئیں۔
بال کی کھال اُتارنا	بہت چھان بین کرنا۔	وہ ہر بات میں بال کی کھال اُتارتا ہے۔
بول بالا ہونا۔	عزّت پانا۔	؎ بول بالا ہے زمانہ میں تیرا اے انصاف ہم بھی دیکھیں ذرا ہے کونسی خوبی تجھ میں
بال بیکا نہ ہونا۔	کوئی مصیبت نہ آنا۔	؎ مشاطہ! سمجھ کے کیجیو شانہ اُس زلف کا ہو نہ بال بیکا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
بدن کے رونگٹے کھڑے ہونا۔	ڈر جانا۔	جنگل میں شیر کی گرج سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
باغ باغ ہونا۔	بہت خوش ہونا	بچے کو دیکھ کر ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔
بے پر کی اُڑانا۔	بے معنی بات کرنا۔	؎ گُذرے گی شبِ ہجر نہ تا روزِ قیامت بے پر کی اُڑاتا ہے عبث مرغِ سحر آج
بال بال بچنا	کوئی تکلیف نہ پہنچنا۔	کل میں نہر میں گرنے سے بال بال بچ گیا۔
پانی پانی ہونا۔	شرمندہ ہونا۔	؎ یہ کبھی ناچار جی کا کھونا ہے شرم سے پانی پانی ہونا ہے
پاؤں پھیلانا۔	بہت لالچ کرنا۔	جتنی چادر ہو اتنے پاؤں پھیلانے چاہئیں۔
پھولا نہ سمانا۔	بہت خوش ہونا۔	ایم۔اے پاس کی خبر سُن کر وہ پھولے نہ سمایا۔
پانی میں آگ لگانا	ناممکن کام کرنا	؎ حنائل مل کے ہاتھوں کو جو دریا میں بہاتے ہو غضب کرتے ہو ظالم آگ پانی میں لگاتے ہو
پردہ کھُل جانا۔	راز فاش ہو جانا	؎ کھُل نہ جائے عشق کا پردہ کہیں آنسوؤں کو پی جاتے ہیں ہم
تارا ہو جانا۔	بہت چھوٹا دکھائی دینا۔	؎ یوں تن خاکی میں روشن دل ہمارا ہو گیا جس طرح پانی کنوئیں کی تہ میں تارا ہو گیا
تین پانچ کرنا۔	ٹال مٹول کرنا۔	اگر زیادہ تین پانچ کرو گے تو یاد رکھو مار کھاؤ گے۔
تصویر بن جانا	حیران رہ جانا	؎ تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں اور بن جائیں گے تصویر جو حیران ہوں گے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
ٹس سے مس ہونا	مست ہو کر بیٹھے رہنا	؎ تھا مگر سا اُس ایسا سنگدل اور بے وفا دیکھتا تھا اور ٹس سے مس ہوتا تھا کہیں
ٹھوکریں کھانا	مصیبتیں جھیلنا	؎ رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد ہوش آتی ہے بشر کو ٹھوکریں کھانے کے بعد
جان کے لالے پڑنا۔	مصیبت پڑنا۔	؎ دل دیا تھا جبکہ اُس کو تب نہ سمجھے انتہا تھا یہی انجام جواب جان کے لالے پڑے
جان پر کھیلنا	جان قربان کرنا۔	؎ کھیل جاتے ہیں جان پر عاشق جان دیتے ہیں آن پر عاشق
جان میں جان آنا۔	تسلی ہونا۔	؎ فرقتِ جاناں میں چہرہ زرد تھا آنکھیں تھیں تر جس وقت دیکھا اسی دم جان میں جان آگئی
جی چرانا۔	کام سے بھاگنا۔	؎ چراؤ نہ محنت سے جی زینہار جو ہمت کروگے تو بیڑا ہے پار
چراغ گل ہونا۔	برباد ہونا۔	آج میری اُمیدوں کا چراغ گل ہو رہا ہے۔
چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا۔	چلتا کام روک دینا۔	؎ نالہ جب دل سے بھرا سینے میں پھر روڑا اٹکا چلتی گاڑی میں دیا عشق نے روڑا اٹکا
خاک چھاننا۔	آوارہ گردی کرنا۔	جو لوگ کل امیر تھے آج خاک چھانتے پھرتے ہیں
خاک اُڑانا	بدنام کرنا۔	؎ مجنوں جو دشت گرد تھا مانند گرد باد جب خاک اڑاتے ہم تو [illegible] ہو گئے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
خاک میں ملانا۔	برباد کرنا۔	؎ انہیں قدموں نے تمہارے انہیں قدموں کی قسم خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے
دانہ پانی اُٹھنا	مر جانا	؎ تیرا وحشی تھا جو مجنوں کی نشانی اُٹھ گیا دشتِ غم سے آج اُس کا دانہ پانی اُٹھ گیا
دو چار ہونا۔	ملنا۔	آج میں بیس سال کے بعد اپنے ایک پُرانے دوست سے دو چار ہوا۔
دل توڑنا۔	ناامید ہونا	؎ نازک خیالیاں میری توڑیں عدو کا دل میں وہ بلا ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں
دل پر چوٹ لگنا۔	صدمہ پہنچنا۔	؎ چوٹ دل پر جو لگے آہ رسا پیدا ہو صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو
دم نکالنا۔	قربان ہونا۔	؎ محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے
ڈورے ڈالنا۔	دھوکا دینا۔	وہ مجھ پر ایک مدت سے ڈورے ڈال رہا ہے لیکن میں ابھی تک اس کے قابو میں نہیں آیا۔
ڈنکا بجنا۔	بول بالا ہونا۔	؎ برسات کا بج رہا ہے ڈنکا اک شور ہے آسمان پہ برپا
رنگ رلیاں منانا۔	خوشی منانا۔ عیش کرنا	وہ حرام کی کمائی سے رنگ رلیاں مناتا ہے
رات آنکھوں میں کاٹنا۔	تمام رات مصیبت میں جاگنا۔	؎ سودا تیری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات اب آئی سحر [illegible] بھی

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
رونگٹے کھڑے ہونا	حیران رہ جانا۔	؎ اُن کی محفل میں غیر کو دیکھا رونگٹے ہو گئے کھڑے میرے
رنگ اُڑانا یا رنگ فق ہونا۔	چہرہ زرد ہونا	؎ اشک آنکھوں میں بھر آئے اُڑ گیا چہرے کا رنگ عیش کہتا تھا نہ سُنئے ماجرائے دردِ دل
سبز باغ دکھانا۔	دھوکا دینا	؎ درختوں پہ دیئے ہیں داغ تو نے دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
سینہ زوری کرنا	زبردستی کرنا۔	سینہ زوری کرنا انسانیت سے بعید ہے۔
شیر و شکر ہونا۔	ایک جان ہونا۔	جمّوں و کشمیر میں ہندو مسلمان شیر و شکر کی طرح رہتے ہیں۔
شکار ہونا۔	نشانہ بننا۔	؎ بتوں کے کوچہ سے ہم دلفگار ہو کے چلے شکار کرنے کو آئے تھے شکار ہو کے چلے
صاف نظر آنا۔	شیشے کی طرح دکھائی دینا۔	؎ رشکِ آئینہ ہے اُس رشکِ قمر کا پہلو صاف اِدھر سے نظر آتا ہے اُدھر کا پہلو
صرف کرنا۔	خرچ کرنا۔	؎ واں گیا بھی میں تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب یاد تھیں جتنی دُعائیں صرفِ درباں ہو گئیں
طبیعت آنا۔	عاشق ہونا۔	؎ گزرتی ہے جن پہ وہی جانتے ہیں بتوں پر طبیعت کا آنا بُرا ہے
طبیعت بھر جانا۔	دل سیر ہونا۔	؎ طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی چڑھی ہے جو آندھی اُتر جائے گی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
ظلم ڈھانا	غضب کرنا	؎ فلک نے بیکسوں پر ظلم ڈھانا تم سے سیکھا ہے شمع نے بال پروانہ جلانا تم سے سیکھا ہے
عرش پر دماغ ہونا	بہت مغرور رہنا	؎ آسمان گر گیا نظر سے مری عرش پر جب تیرا دماغ ہوا
عرش پر چڑھانا	بہت تعریف کرنا۔	؎ جو آج چڑھاتے ہیں ہمیں عرش بریں پر دو دن میں اُتاریں گے وہی لوگ زمین پر
عید کا چاند ہونا	کبھی کبھی نظر آنا	؎ کب سے شبِ فراق ہوں مشتاق دید کا خورشید ہو گیا ہے مجھے چاند عید کا
غبار نکالنا۔	دل کی بھڑاس نکالنا	؎ بیانِ سوزِ جگر پر آپ یوں گھبرائے نکالنا ابھی دل کا غبار باقی ہے
غُل کرنا۔	شور مچانا	؎ بلبلو! غُل نہ کرو میرا صنم سوتا ہے تم تو چلی جاؤ گی وہ مجھ سے خفا ہوتا ہے
غم غلط کرنا۔	دلِ غمگین کو بہلانا	؎ ہم وہ غمگین ہیں کہ شادی کی نہ دیکھی صورت غم غلط کرنے کو بھی رنج و محن یاد آیا
فاقہ مستی کرنا	بھوکے رہ کر مزے اڑانا۔	؎ قرض کی پیتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
فتور آنا۔	خلل پیدا ہونا۔	؎ پیامبر سے شبِ وعدہ وہ بگڑ بیٹھے بنے بنائے ہوئے کام میں فتور آ گیا

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
قافیہ تنگ کرنا۔	مشکل میں پڑنا دِق کرنا۔	؎ تیرے آگے ہوا ہے قافیہ تنگ اہلِ محفل کا۔ تو اکبر ہر غزل کے بحر میں کامل نکلتا ہے
قدم لینا۔	عزت کرنا۔ پاؤں پڑنا	؎ زنداں سے بیاباں میں تواضع ہوئی بڑھ کر کانٹوں نے لئے میرے قدم اور زیادہ
قصہ تمام ہونا۔	ختم ہونا۔ مرجانا۔	؎ اگر مدینہ ہمارا مقام ہو جائے تو رب امیدوں کا قصہ تمام ہو جائے
قصہ پاک ہونا۔	فیصلہ کرنا۔ مار ڈالنا	؎ یا تو پاس دوستی تجھ کو بت بیباک ہو۔ یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو
قطع تعلق کرنا	الگ ہونا۔ ترک کرنا۔	؎ قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے! کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
قرآن اُٹھانا	سچا ہونا قسم کھانا	؎ جس بات کی چاہو قسم اک مرتبہ لے لوں ہر بار تو قرآن اُٹھایا نہیں جاتا
کلیجہ منہ کو آنا۔	سخت صدمہ ہونا۔	؎ کلیجہ جواب منہ کو آتا نہیں تیرا تیر شاید جگر لے گیا
کاغذ کے گھوڑے دوڑانا۔	ہر طرف خط لکھنا۔	؎ پھر لگے کاغذ کے گھوڑے دوڑنے چاروں طرف پھر لگی ہونے میری تحریر پہ تحریر تیز
کانٹے بونا۔	بُرائی کرنا۔	؎ بوئے ہیں تیری محبت نے ہزاروں کانٹے۔ دِل لگا ہے کہ بلا دوش پہ مارا مجھے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
گلے کا ہار رہونا	کبھی جدا نہ ہونا	؎ ذرا سی بات پر آمادۂ تکرار ہو جانا بگڑنا، روٹھنا، رونا گلے کا ہار ہو جانا
گردن جھکانا	آنکھیں بند کرنا	؎ دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
گُل کھلانا۔	عجیب واقع ہونا	؎ زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
گریبان چاک ہونا	دیوانہ ہونا	؎ اک چاک ہو تو سی لوں اپنا گریباں یارب ظالم نے پھاڑ ڈالا ہے تار تار کر کے
لختِ جگر کھانا	غم کھانا	؎ خونِ جگر پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے لیلیٰ ترے دیوانے کو
لکیر پیٹنا	خیال دوڑانا	؎ خیالِ زلفِ تاباں میں نظیر پیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر
مُنہ پھیرنا۔	توجہ نہ کرنا۔	خدا جانے اُس نے میری طرف سے کیوں مُنہ پھیر لیا ہے
مُنہ لگانا۔	زیادہ پیار کرنا۔	ع۔ ایسے لوگوں سے میری جان مُنہ نہ لگانا ہرگز۔
مُنہ میں پانی بھر آنا	لالچ کرنا۔	پکے ہوئے آموں کو دیکھ کر میرے مُنہ میں پانی بھر آیا۔
موم ہونا۔	نرم ہونا۔	؎ موم نالوں سے میر کس کا جگر ہوتا نہیں سخت حیرت ہے ترے دل پر اثر ہوتا نہیں
مل کر بیٹھنا۔	اکٹھے رہنا۔	؎ قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
ناک کاٹنا	بدنام کرنا۔	کرتار نے چوری کر کے اپنے خاندان کی ناک کاٹ ڈالی۔
ناک رگڑنا۔	خوشامد کرنا۔	ماتحت لوگ ہمیشہ حکام کے پاؤں پر ناک رگڑتے آئے ہیں۔
ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا۔	مغرور ہونا۔	نظیرا اتنا نازک مزاج ہے کہ ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا۔
ناک میں دم ہونا	بہت تنگ ہونا	؎ جب گئی حالت بگڑ حد سے سوا آ گیا دم ناک میں ماں باپ کا
وقت نکل جانا	موقعہ ہاتھ سے جانے دینا۔	؎ کام انسان کو انسان سے پڑتا ہے ضرور بات رہ جاتی ہے گو وقت نکل جاتا ہے۔
ہاتھ پاؤں مارنا۔	کوشش کرنا	باوجود لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔
ہیرے کا جگر کاٹنا	سخت مشکل کام کرنا	؎ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر
ہوش میں آنا	سنبھلنا	؎ لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت فرمایا! خبردار کہ نازک ہے زمانہ
ہوش اُڑ جانا	مست ہونا	؎ اب تو پینے کی بھی حاجت نہ رہی اے ساقی ہوش اُڑ جاتے ہیں خالی ترے پیمانے سے
ہزار و لاکھ سنانا	بُرا بھلا کہنا	؎ خط میں مجھے اوّل تو سنائی ہیں ہزار و ں آخر میں لکھا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کہتا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

محاورات	معانی	استعمال
یاری دینا	مدد دینا	نصیر نے مجھے اس کام میں بہت یاری دی۔
یاری اُٹھنا	اُلفت نہ رہنا۔	؎ کس سے رکھئے داغ چشم دوستی اُٹھ گئی یاروں سے یاری اُٹھ گئی

ضرب الامثال

ضرب الامثال ہمارے مختلف خیالات کا خلاصہ اور دنیوی مشاہدات اور تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔ زبان میں ضرب الامثال کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

نمونے کے طور پر دو ضرب الامثال درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ راز دار کی دشمنی بڑا نقصان پہنچاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب لنکا کا راجہ راون سیتا کو اُٹھا کر لے گیا۔ اور رامچندر جی کو اپنی پاک دامن بیوی واپس لانے کے لئے لنکا پر حملہ آور ہونا پڑا تو اُس حملے کے دوران میں راون کے بھائی ببھیشن نے قلعہ لنکا کے بہت سے بھید بتائے اور اپنے بھائی کے خلاف رامچندر جی کو کافی مدد کی۔ اُس وقت سے یہ فقرہ بطور ضرب المثل استعمال ہونے لگا۔

2۔ چور کی داڑھی میں تنکا

اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم ہر وقت خوفزدہ رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی زمیندار کے ہاں سے چوری کی تھی۔ قاضی نے تمام مشتبہ آدمیوں کو جن میں چور بھی موجود تھا اپنے سامنے کھڑا کیا۔ پھر اپنے ایک پیادے سے کہا کہ میں جس کسی کی طرف اشارہ کروں تم اُسے گرفتار کر لینا۔ پھر سب کے سامنے قاضی نے کہا —

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دیکھو "چور کی داڑھی میں تنکا" ہے۔ چور کے دل میں پہلے ہی خدشہ تھا۔ اُس نے فوراً اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ اس حرکت سے وہ شناخت ہو کر پکڑا گیا۔ اُس وقت سے یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی۔

ضرب الامثال	معانی
چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟	فضول خرچ کے پاس دولت نہیں ٹھہرتی۔ ؎ درم و دام اپنے پاس کہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں
تھکا اونٹ سرائے کو دیکھتا ہے۔	ناچار آدمی سہارا ڈھونڈتا ہے۔ ؎ تھکا اونٹ تکتا ہے گردن اٹھائے کب آئے سرائے جو آرام پائے
دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی۔	کم قیمت کی چیز پر زیادہ لاگت مانگنا۔ ؎ حجامت بنانے کو آیا تھا نائی حجامت بناتے ہی مانگی رضائی مثل مجھ کو اُس وقت یہ یاد آئی کہ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی
چھوٹا مُنہ بڑی بات۔	اپنی حیثیت سے بڑھ کر کام کرنا۔ ؎ تو کہے غنچہ کے لب پہ دھڑی خوب نہیں جب کے منہ چھوٹا اور بات بڑی خوب نہیں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ضرب الامثال	معانی
کاغذ کی ناؤ سدا نہیں بہتی۔ یا کاغذ کی کشتی کبھی نہیں چلتی۔	ناپائیدار چیز قائم نہیں رہتی۔ ع کسی پاس دولت یوں رہتی نہیں۔ سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں ع ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں کشتی کاغذ کی کبھی چلتی نہیں
اندھیر نگری چوپٹ راجہ۔	جہاں بدانتظامی کا دور دورہ ہو۔ ع اندھیر نگری چوپٹ راجا ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا
ایک انار سو بیمار۔	چیز تھوڑی ہو مگر اُس کے خواہشمند زیادہ ہوں۔
ایک پنتھ دو کاج۔	ایک تدبیر سے دو کام ہو جائیں۔
آپ مرے جگ پرلو۔	آپ مر گئے تو دُنیا سے کیا فائدہ؟
ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی۔	جھگڑا دونوں طرف سے ہوتا ہے۔
اپنے مُنہ میاں مٹھو۔	خود اپنی تعریف کرنا۔
تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔	سوچ سمجھ کر کام کرو۔
جتنے مُنہ اتنی باتیں۔	ہر شخص کی رائے الگ ہوتی ہے۔
جس کی لاٹھی اُس کی بھینس	طاقت ور ہمیشہ غالب آتا ہے
چراغ تلے اندھیرا۔	اوروں کو فائدہ پہنچانا اور اپنوں کو محروم رکھنا۔
دُور کے ڈھول سہانے۔	دُور سے چیز بھلی معلوم ہوتی ہے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ضرب الامثال	معانی
ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔	جب ضرورت ہو کوئی نہ کوئی تجویز نکل آتی ہے۔
مال مفت دل بے رحم۔	پرایا اور مفت کا مال بیدردی سے خرچ کیا جاتا ہے
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔	ظاہرا بات کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔
ہنوز دلی دور است۔	ابھی کامیابی دور ہے۔

نقشہ واحد جمع

واحد ایک چیز کو کہتے ہیں مثلاً جسم، قوم، ملک

جمع ایک سے زیادہ چیزوں کو کہتے ہیں مثلاً اجسام، اقوام، ممالک۔

الفاظ	معانی	جمع	الفاظ	معانی	جمع
اثر	نشان	آثار	جنس	قسم	اجناس
الم	رنج	آلام	جانب	طرف	جوانب
امر	کام	امور	حکم	فرمان	احکام
اسم	نام	اسماء	حکیم	دانا	حکماء
آفت	مصیبت	آفات	حاکم	حکومت کرنیوالا	حکام
امیر	مالدار	امراء	خبر	اطلاع	اخبار
اُستاد	معلم	اساتذہ	خط	چیٹھی	خطوط
آلہ	اوزار	آلات	خیال	تصور	خیالات
تاجر	سوداگر	تجار	خدمت	نوکری	خدمات
تصویر	صورت	تصاویر	دوا	دوائی	ادویہ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی	جمع
تکلیف	دکھ	تکالیف
ثمر	پھل	اثمار
جسم	وجود	اجسام
رسم	رواج	رسوم
سبب	وجہ	اسباب
سبق	درس	اسباق
شجر	درخت	اشجار
شعر	بیت	اشعار
شاعر	شعر لکھنے والا	شعراء
شخص	آدمی	اشخاص
طرف	جانب	اطراف
طالب	چاہنے والا	طلباء
غریب	محتاج	غُرباء
فن	ہنر	فنون
فوج	سپاہ	افواج
فقیر	مانگنے والا	فقراء
فائدہ	نفع	فوائد
قوم	جماعت	اقوام

الفاظ	معانی	جمع
درجہ	رتبہ	درجات
دفتر	محکمہ	دفاتر
رقم	لکھنا	رقوم
کمال	بہت اچھا	کمالات
لطف	مہربانی، مزا	الطاف
مرض	بیماری	امراض
لفظ	کلمہ	الفاظ
مِلک	جائیداد	املاک
مُلک	ولایت	ممالک
ملک	بادشاہ	مُلوک
ملک	فرشتہ	ملائک
موت	مرگ	اموات
نور	روشنی	انوار
وطن	اپنا ملک	اوطان
نتیجہ	انجام	نتائج
وزیر	وزارت کرنیوالا	وُزراء
وظیفہ	روزینہ	وظائف
وکیل	قانون دان	وکلاء

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نیا ادبی نصاب

حصۂ نثر کے متعلقہ

اہم، اوبجیکٹو ٹائپ اور مختصر جوابات والے

سوالات بمعہ جوابات

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نیا ادبی نصاب حصّہ نثر کے ادیب

نام مصنف	سن پیدائش	سن وفات	اہم تصانیف
جواہر لال نہرو	۱۴ نومبر سنہ 1889ء	17 مئی سنہ 1964ء	میری سوانح حیات، دُنیا کی تاریخ کی چند جھلکیاں
منشی پریم چند	سنہ 1880ء	سنہ 1936ء	ناول، میدانِ عمل، گئودان، افسانے، پریم پچیسی، پریم بتیسی
مرزا فرحت اللہ بیگ	سنہ 1883ء	سنہ 1946ء	مضامین فرحت۔ دلی کا آخری یادگار مشاعرہ
پطرس بخاری	سنہ 1898ء	سنہ 1958ء	مضامین پطرس۔
امتیاز علی تاج	سنہ 1860ء	سنہ 1970ء	ڈرامہ انار کلی۔
قدسیہ زیدی			بچوں کے لئے کتابیں۔
ڈاکٹر ذاکر حسین	سنہ 1897ء	سنہ 1969ء	بچوں کے لئے کتابیں
پروفیسر رشید احمد صدیقی	سنہ 1895ء	سنہ 1977ء	آشفتہ بیانی میری، ہم نفسانِ رفتہ
پروفیسر آل احمد سرور	سنہ 1912ء	×	تنقیدی اشارے، تنقید کیا ہے؟
اطہر پرویز	سنہ 1922ء	×	ادب کا مطالعہ۔ بچوں اور بالغوں کے لئے کتابیں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س- ایک یادگار وصیت، آخری قدم اور گلّی ڈنڈا ذیل کے کن مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں کہانیوں کے سامنے اُن کے نام لکھیے۔

ج- ڈاکٹر ذاکر حسین- آخری قدم، منشی پریم چند- گلّی ڈنڈا، جواہر لال نہرو- ایک یادگار وصیت-

س- محلے کی ہولی، الیکشن اور تلاش مضامین کے مصنفین کے نام کہانی کے سامنے درج کیجیے؟

ج- محلے کی ہولی- اطہر پرویز، الیکشن- پروفیسر رشید احمد صدیقی، تلاش- امتیاز علی تاج/ قدسیہ زیدی-

س- ان کہانیوں کے مصنفین کی نشاندہی کیجیے اور نثری مضامین کے آگے اُن کے نام لکھیے؟

ایک کہانی، مرحوم کی یاد میں اور اُردو ناول کا ارتقا۔

ج- ایک کہانی- مرزا فرحت اللہ بیگ، مرحوم کی یاد میں- پطرس بخاری، اُردو ناول کا ارتقا- پروفیسر آل احمد سرور

س- جواہر لال نہرو نے اپنی قوم کے نام کیا وصیت کی ہے؟

ج- جواہر لال نہرو کی وصیت اپنے خاندان کے لئے نہیں بلکہ دیش کے رہنے والے سب انسانوں کے لئے ہے۔ وہ اپنی وصیت میں لکھتے ہیں کہ محبت اور انسانیت زندگی کا راز ہے۔ وطن کے دریا، پربت اور زرخیز میدانوں سے ہم ظہور تربیت میں آئے۔ انہیں میں فنا ہو جانا ہماری حیات ابدی ہے۔ وہ اپنی وصیت میں کہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میری لاش کو جلا دیا جائے اور میری راکھ الہ آباد بھیجدی جائے اور اس میں سے مٹھی بھر حصہ گنگا میں بہا دیا جائے۔ اس کا کوئی حصہ بھی بچا کر نہ رکھا جائے بلکہ ہوائی جہاز میں لے جا کر اُن کھیتوں میں بکھیر دیا جائے جہاں بھارت کے کسان محنت و مشقت کرتے ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س۔ منشی پریم چند کی کہانی 'گلی ڈنڈا' سے کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟
ج۔ 'گلی ڈنڈا' ایک نہائیت دلچسپ کھیل ہے، جو بغیر پیسہ خرچ کئے کھیلا جا سکتا ہے۔ اس میں پدنے پدانے کا بڑا مزا آتا ہے، اس کھیل میں امیر غریب اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ آخر میں یہ بتایا ہے کہ گیا چمار میرا بچپن کا ساتھی تھا۔ ہم اکھٹے گلی ڈنڈا کھیلتے تھے۔ گیا کا ایک داؤ میرے اوپر تھا۔ میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بیس سال بعد میں انجنیئر بن کر اسی قصبہ میں آیا۔ لڑکے گلی ڈنڈا کھیل رہے تھے۔ میں نے ایک لڑکے سے کہا کہ یہاں کوئی گیا نام کا شخص ہے۔ وہ لڑکا فوراً بول اٹھا۔ یہاں ایک گیا چمار ہے میں نے کہا اس کو بلاؤ۔ لڑکا گیا کو بلا کر لے آیا۔ میں نے گیا کو کار میں بٹھایا۔ اور گاؤں کے باہر دور جا کر گیا سے کہا آؤ ہم تم گلی ڈنڈا کھیلیں۔ تمہارا ایک داؤ میرے اوپر ہے۔ گیا جھینپ رہا تھا کیونکہ افسری درمیان میں ایک دیوار بن گئی تھی۔ میں نے بہت بے ضابطگیاں کیں لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ دوسرے دن میں نے گیا کا میچ رکھوایا۔ اس نے وہ کمال دکھلائے کہ گلی آسمان سے چھو تی تھی۔

س۔ 'ایک کہانی' مضمون میں فرحت اللہ بیگ کی مزاحیہ نگاری کا نقشہ کھینچیئے؟
ج۔ مرزا فرحت اللہ بیگ دو بڑھیا عورتوں کے طنز و مزاح کو نہائیت عمدہ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ 'ایک کہانی' میں آپ کو شروع سے لیکر آخر تک بول چال کا لطف آئے گا۔ اور ایسا محسوس ہوگا جیسے کوئی بیٹھا سچ مچ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آپ سے کہانی کہہ رہا ہے۔ اس کہانی میں جاڑے، گرمی اور برسات کو جاندار مان کر آپ کے سامنے دو بڑھیا عورتوں سے باتیں کرائی ہیں۔ ایک بڑھیا جاڑے، گرمی اور برسات کی تعریف کر کے اُن سے ایک ایک ہزار روپیہ لے گئی۔ دوسری بڑھیا کو معلوم ہوا تو وہ بھی جاڑے، گرمی اور برسات کے پاس چلی گئی لیکن اُس نے جاڑے، گرمی اور برسات کی بدنامی کی اور اُن سے لقوہ، لو اور لنگڑا پن لے کر گھر آئی مار کھائی۔ گھر سے نکالی گئی اور سڑک پر بیٹھی بھیک مانگنے پر نوبت آئی۔

مرحوم کی یاد میں' پطرس بخاری کی طنز کو اپنے الفاظ میں لکھیے؟

ایک ٹوٹی پھوٹی بائیسکل کی یاد میں پطرس بخاری کی طنز ایک نئے ڈھنگ کی ہے جس میں اعلیٰ درجہ کے طنز و مزاح کی چاشنی اور تازگی ہے پطرس اپنے ایک دوست مرزا صاحب سے ایک ٹوٹی پھوٹی بائیسکل خریدتے ہیں۔ پہلے ہی دن سیر کرنے کے لئے بائیسکل پر سوار ہوتے ہیں۔ ایک تھوڑی ہی دُور جاتے ہیں کہ بائیسکل خراب ہو جاتی ہے۔ مستری سے ٹھیک کروا کر پھر سوار ہوتے ہیں۔ تھوڑی دُور تک چلاتے ہیں کہ اُس کا اگلا پہیہ نکل کر سڑک کے پار چلا جاتا ہے اور خود دھڑام سے زمین پر آ پڑتے ہیں۔ لوگ ہنسی اڑاتے ہیں۔ ایک ہاتھ میں بائیسکل اور دوسرے میں پہیہ پکڑے ہوئے دریا کے کنارے پہنچتے ہیں۔ دونوں پہیوں کو اور ٹوٹی پھوٹی بائیسکل کو دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

ڈرامہ 'تلاش' کے کرداروں پر روشنی ڈالیئے؟

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ج۔ ڈرامہ "تلاش" ایک ایکٹ کا ڈرامہ ہے۔ سیّد امتیاز علی تاج کی کتاب "چچا چھکن" کے چار ناولوں کو بیگم قدسیہ زیدی نے ڈرامے کی شکل دی ہے "تلاش" اُس کا ایک روپ ہے۔

چچا چھکن لحاف اوڑھے سوئے ہیں۔ اتنے میں اُن کے ایک دوست خان صاحب کا نوکر اُن سے ربڑ کی تھیلی مانگتا ہے کہ خانصاحب کو پیٹ میں درد ہے۔ چچا بڑے غصّے میں آکر نوکر سے کہتا ہے کہ خانصاحب پٹھان ہے اُس نے رات کو دعوت میں زیادہ کھالیا ہے۔ اِسی وجہ سے اُس کے پیٹ میں درد ہے۔ ربڑ کی تھیلی کی تلاش شروع ہوئی بڑی مشکل سے تھیلی ملی۔ چچا نے اپنے نوکر سے تمباکو مانگا۔ تمباکو کی تلاش کی گئی کہیں سے تمباکو نہ ملا۔ نوکر کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ پھر غسل خانے میں نہانے جاتے ہیں۔ واپس آکر عینک کی تلاش کرتے ہیں۔ اتنے میں بنّو آتی ہے۔ چچا اُسے اپنے پاس بُلا کر کہتا ہے کہ ہماری عینک کھو گئی ہے مگر تیری چچی کو علم نہیں ہونا چاہیئے۔ بنّو مسکرا کر جواب دیتی ہے کہ عینک تو آپ نے پہن رکھی ہے۔ چچا بنّو کو منع کرتا ہے کہ کسی سے یہ بات مت کہنا۔

س۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کے مضمون "آخری قدم" سے کیا سبق ملتا ہے؟

ج آخری قدم سے یہ سبق ملتا ہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال۔ کیونکہ سے

جو احسان کر کے جتانے لگے
وہ اپنے کئے کو مٹانے لگے

وہ بتاتے ہیں کہ ایک آدمی کے پاس بہت سی دولت تھی۔ وہ نیک آدمی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اپنی تمام دولت سے چپ چپاتے کسی نہ کسی مستحق کی مدد کرتا ہی رہتا لیکن خود رُوکھا سوکھا کھا کر اور موٹا جھوٹا پہن کر گزارہ کر لیتا۔ اس لئے لوگ اُسے کنجوس میاں مکھی چوس کہا کرتے تھے۔

وہ خیرات اس طرح کرتا تھا کہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو اُلٹے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی اور زبان پر ذکر آنے کا تو ذکر ہی کیا۔

اُس کے پاس ایک خوبصورت سی کتاب تھی، اُس پہ نیلے کپڑے کی ہلکی سی جلد تھی۔ پشتے پر سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا تھا "حساب امانت" اس کتاب میں وہ اپنے پیسے پیسے کا حساب لکھا کرتا تھا۔ جس کو کبھی کچھ دیا تھا۔ سبھی اسمیں درج تھا۔ اس کتاب کو وہ اکثر اٹھا کر پڑھا کرتا تھا کسی نادان دوست کی زبان سے دل دُکھتا تو ضرور اس کتاب کی ورق گردانی کرتا تھا۔ ہوتے ہوتے بڑھاپا آگیا بدن جواب دینے لگا۔ سخت بیمار ہوا۔ چارپائی کے پاس ہی میز پر 'حساب امانت' کتاب رکھی تھی۔ بڑی مشکل سے کتاب کو اٹھایا پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال..... اُن کو شرما کر تجھے کیا ملے گا منزل تو آپہنچی۔ اب 'آخری قدم' کیوں ڈگمگائے۔ کتاب انگیٹھی میں پھینکی۔ کتاب جلنے لگی۔ اس کی روشنی میں ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوئی آنکھیں مُوند لیں۔

س۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نظر میں الیکشن ایک تماشہ بن کر رہ گیا ہے اپنے الفاظ میں لکھیئے؟

ج۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں الیکشن اس لئے تماشہ بن کر رہ گیا ہے کہ پہلے تو ممبر اپنا لاکھوں روپیہ خرچ کرکے الیکشن

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جیتتے ہیں پھر جیت کر کروڑ ہا روپیہ کملتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ممبروں کو نہ عوام کے ساتھ کوئی ہمدردی ہے اور نہ ہی ملک کی بہتری و بہبودی کا کوئی خیال ہے انہیں تو صرف کرسی درکار ہے۔

الیکشن صرف ہے 'قصہ کرسی کا' اور کچھ نہیں۔ الیکشن کے دنوں میں ممبر لوگوں کے پیچھے موٹریں لئے پھرتے ہیں۔ نوٹوں کا لالچ دے کر ان کو پھسلاتے ہیں۔ نوکری کا لالچ دے کر ووٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں کسی کو روٹ پرمٹ کا چکمہ دیتے ہیں کسی کو لائسنس دینے کا وعدہ کر کے ووٹ لینا چاہتے ہیں۔ کئی قسم کے دھوکے دغے فریب دیکر ووٹ حاصل کر کے جب کامیاب ہو جاتے ہیں تو دوسری الیکشن آنے تک منہ نہیں دکھلاتے۔ اسلئے الیکشن صرف تماشہ بن کر رہ گئے ہیں۔

پروفیسر آل احمد سرور کے مضمون "اردو ناول کا ارتقا" پر روشنی ڈالیئے؛

ناول انگریزی لفظ ہے اور دیکھتے دیکھتے اردو پر چھا گیا۔ کہانیوں کا وجود ہمارے ادب میں بہت پہلے سے ملتا ہے جیسے الف لیلےٰ، باغ و بہار فسانۂ عجائب وغیرہ لیکن ہمارے پرانے قصے کہانیوں اور ناولوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

ناول اور زندگی کا بہت گہرا باہمی تعلق ہے۔ ناول میں زندگی کے مختلف تجربے اور مناظر ہوتے ہیں۔ واقعات کا سلسلہ ہوتا ہے۔ پلاٹ، کردار، مکالمے، منظر نگاری اور زندگی کے فلسفہ کی جھلک ہوتی ہے۔

مولوی نذیر احمد کی کہانیاں ناولوں کا اولین نمونہ ہیں۔ یہ کہانیاں تعلیمی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اخلاقی اور مذہبی نقطۂ نظر سے لکھی گئی تھیں۔ ان کہانیوں کا پلاٹ مکمل اور واضح ہے۔
اُسی زمانہ میں پنڈت رتن ناتھ سرشار نے قصّے لکھنا شروع کئے اور اپنی مشہور تصنیف "فسانۂ آزاد" کے سبب مشہور ہوئے۔ مرزا محمد ہادی رُسوا پہلے ناول نگار ہیں جو معلم اخلاق ہونے کے علاوہ فنکار بھی ہیں۔ راشد الخیری کے ناول عورت کی مظلومیت کی داستان ہیں۔
منشی پریم چند نے اردو ناول کو اچھی خاصی وسعت دی۔ اُن کا میدان اتنا وسیع ہے جتنی کائنات وہ غریبوں، مظلوموں کے ہمدرد، کسانوں اور مزدوروں کے غمخوار ہیں۔ کسانوں کے جذبات میں دیہاتی زندگی کے مرقعے اُن کے ہاں کثرت سے ملتے ہیں۔
مختصر یہ کہ اس زمانے میں اردو ناول کو جو ترقی ہوئی، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو کا اگلا دور ناول کا دور ہوگا۔

س۔ اطہر پرویز نے "محلے کی ہولی" میں کس قسم کی منظر نگاری پیش کی ہے؟

ج۔ اطہر پرویز نے 'محلے کی ہولی' میں ہندو مسلم اتحاد کا ایک صحیح نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ صرف ہندوؤں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس تاریخ میں دونوں کی مشترکہ تہذیب پائی جاتی ہے۔
لالہ تیج رام اور اُن کا دوست شہباز خان، لالہ تیج رام کی بیٹی سوشیلا شہباز خان کی بیٹی خالدہ اس ڈرامہ کے اہم کردار ہیں۔
لالہ صاحب اور خان صاحب میں کچھ تکرار ہو گئی تھی جس پر لالہ صاحب نے خان صاحب سے بول چال بند کر دی اُن کو یہ خبر پہنچی کہ اس پر اُن

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دونوں میں صلح کراتے ہیں اور لالہ جی کو ماس پیش کرتے ہیں۔ ایسی جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ تالیاں بجتی ہیں، ہولی، ہولی کی آوازیں آتی ہیں۔ لالہ جی اور خان صاحب آپس میں ہاتھ ملاتے ہیں۔

س۔ منشی پریم چند، مرزا فرحت اللہ بیگ، ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر آل احمد سرور اور پطرس بخاری کے صحیح سن پیدائش چن کر ان کے ناموں کے آگے لکھیے۔

سنہ 1897ء، سنہ 1883ء، سنہ 1880ء، سنہ 1912ء، سنہ 1898ء

ج۔ منشی پریم چند — سنہ 1880ء، مرزا فرحت اللہ بیگ — سنہ 1883ء
ڈاکٹر ذاکر حسین سنہ 1897ء، پروفیسر آل احمد سرور سنہ 1912ء، پطرس بخاری سنہ 1897ء

س۔ پنڈت جواہر لال نہرو، امتیاز علی تاج، منشی پریم چند، رشید احمد صدیقی اور مرزا فرحت اللہ بیگ کے صحیح سن وفات چنیے؟

سنہ 1977ء، سنہ 1964ء، سنہ 1970ء، سنہ 1936ء، سنہ 1946ء

ج۔ پنڈت جواہر لال نہرو سنہ 1964ء امتیاز علی تاج سنہ 1970ء،
منشی پریم چند سنہ 1936ء، رشید احمد صدیقی سنہ 1977ء اور
مرزا فرحت اللہ بیگ سنہ 1946ء

س۔ نیچے کچھ ادیبوں کے نام اور ان کی لکھی کہانیوں کے نام دیئے گئے ہیں۔ صحیح بیان کے آگے ✓ اور غلط کے آگے × کا نشان لگائیے:

ج۔ ڈاکٹر ذاکر حسین۔ آخری قدم ✓، مرزا فرحت اللہ بیگ۔ ایک کہانی ✓
پروفیسر آل احمد سرور۔ محلے کی ہولی ×، اطہر پرویز۔ اردو ناول کا ارتقاء ×
منشی پریم چند۔ مرحوم کی یاد میں ×، جواہر لال نہرو۔ ایک قصہ ✓

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س۔ نیچے کالم اے اور کالم بی میں سے مناسب جوڑے تلاش کر کے لکھئے:۔

کالم اے	کالم بی	
نام ادیب	سن وفات	سن پیدائش
۱۔ منشی پریم چند	ا۔ 1958ء	1898ء
2۔ ڈاکٹر ذاکر حسین	ب۔ 1936ء	1880ء
3۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی	ج۔ 1969ء	1897ء
4۔ پروفیسر آل احمد سرور	د۔ ابھی زندہ ہیں۔	1912ء
5۔ پطرس بخاری	ر۔ 1977ء	1895ء

ج۔ ۱ کے ساتھ ب، 2 کے ساتھ ج، 3 کے ساتھ ر، 4 کے ساتھ د، اور 5 کے ساتھ ا لگا کر صحیح جوڑے بنائیے۔

س۔ کالم اے میں ادیبوں کے نام اور کالم بی میں اُن کی تصانیف کے نام دیئے گئے ہیں۔ کیا یہ دُرست ہیں۔ اگر درست نہیں ہیں تو ترتیب کو صحیح کر کے لکھ دیجئے۔

کالم اے	کالم بی
۱۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔	دُنیا کی تاریخ کی چند جھلکیاں
2۔ منشی پریم چند	ڈرامہ انارکلی۔
3۔ مرزا فرحت اللہ بیگ	میدان عمل۔ گئودان۔
4۔ پطرس بخاری	مضامین پطرس۔
5۔ امتیاز علی تاج۔	دِلی کا آخری یادگار مشاعرہ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

6۔ ڈاکٹر ذاکر حسین	تنقیدی اشارے
7۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی	بچوں کے لئے کتابیں
8۔ پروفیسر آل احمد سرور	آشفتہ بیانی میری
9۔ اطہر پرویز	بالغوں کے لئے کتابیں۔ ادب کا مطالعہ
ج۔ ۱۔ پنڈت جواہر لال نہرو۔	دُنیا کی تاریخ کی جھلکیاں
2۔ منشی پریم چند	میدان عمل، گئودان۔
3۔ مرزا فرحت اللہ بیگ	دلی کا آخری یادگار مشاعرہ
4۔ پطرس بخاری	مضامین پطرس۔
5۔ امتیاز علی تاج	ڈرامہ انارکلی۔
6۔ ڈاکٹر ذاکر حسین	بچوں کے لئے کتابیں۔
7۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی	آشفتہ بیانی میری
8۔ پروفیسر آل احمد سرور	تنقیدی اشارے
9۔ اطہر پرویز	بالغوں کے لئے کتابیں۔ ادب کا مطالعہ

س۔ نیا ادبی نصاب میں جو مضمون اور کہانیاں آپ کے نصاب میں شامل ہیں۔ اُن کے مصنف اور کہانیوں کے نام آپ کو یاد ہوں گے۔ مندرجہ ذیل اپنی یادداشت کو تازہ کرکے خالی جگہوں کو پُر کیجئے:۔

۱۔ ...... کی کہانی گلی ڈنڈا۔ (منشی پریم چند)

2۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی کہانی .... (آخری قدم)

3۔ مرحوم کی یاد میں کے مصنف ...... (مرزا فرحت اللہ بیگ)

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

4۔ الیکشن کے لکھنے والے .... (پروفیسر رشید احمد صدیقی)
5۔ اطہر پرویز کی کہانی .... (محلے کی ہولی)۔

س۔ اُردو ناول کا عروج کب شروع ہوا؟
ج۔ اُردو ناول کا عروج صحیح معنوں میں منشی پریم چند سے شروع ہوا۔
س۔ ناول کے اجزائے ترکیبی کون کون سے ہیں؟
ج۔ (1) پلاٹ (2) ماحول (3) واقعہ نگاری (4) جذبات نگاری (5) منظر کشی،
(6) کردار (7) مکالمہ (8) زبان (9) طرز بیان اور (10) ادائیگی۔
س۔ اُردو ناول کی ابتدا کب ہوئی؟
ج۔ اُردو ناول کی ابتدا مولوی نذیر احمد کے ناول 'مراۃ العروس' سے ہوئی جو
سنہ 1869ء میں شائع ہوا۔
س۔ افسانہ کسے کہتے ہیں؟
ج۔ اُردو میں افسانہ اس مختصر قصہ کو کہتے ہیں جو زندگی کے کسی پہلو کا ترجمان ہو۔
س۔ اُردو فن ڈرامہ نگاری کا شیکسپیئر کس کو کہا جاتا ہے؟
ج۔ آغا حشر کاشمیری کو۔
س۔ اُردو میں طنز و مزاح کا آغاز کب ہوا؟
ج۔ اُردو میں طنز و مزاح کا آغاز اخبار 'اودھ پنچ' سے ہوا۔
س۔ اُردو ادب کے مشہور مزاحیہ نگار کون سے ہیں؟
ج۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی،
شوکت تھانوی، ملا رموزی، امتیاز علی تاج، کنہیا لال کپور چند مشہور مزاحیہ نگار ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پیربی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اوراقِ ادب

- غزلیات کی تشریح
- متعلقہ شعراء کے حالاتِ زندگی
- کلام کی خصوصیّات

میر تقی میر

پیدائش سنہ 1724ء — وفات سنہ 1810ء

خدائے سخن میر کا نام اردو غزل میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا۔ انہوں نے دل کے جذبات کو الم انگیز، نازک، سوز و گداز اور دردناک انداز میں بیان کیا ہے اُن کے کلام میں سوز کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ دس برس کی عمر میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ بڑے بھائی نے میر صاحب سے بڑی بے مروتی کی اور باپ کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔

میر صاحب بے سروسامانی کی حالت میں تلاشِ معاش میں گھر سے نکل پڑے۔ دہلی گئے اور خان آرزو کے پاس ٹھہرے۔ کچھ دن وہاں رہے لیکن بڑے بھائی کے کہنے پر خان آرزو نے میر صاحب کو بہت تکلیف پہنچائی۔ مجبوراً وہاں سے نکل آئے۔ آخر سنہ 1783ء میں دلی چھوڑ کر لکھنو آئے اس وقت اُن کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ لکھنو آنے سے پہلے میر صاحب کی شہرت یہاں پہنچ چکی تھی۔ یہاں آئے تو لوگوں نے اُن کے لئے آنکھیں بچھا دیں۔ امیر سے غریب تک اور بادشاہ سے لیکر فقیر تک نے اُن کی قدر دانی کی۔ گویا میر صاحب کے آنے سے لکھنو کی قسمت جاگ اٹھی اور رشت عروس کی رونق بڑھ گئی۔ وہاں میر صاحب کی کمال عزت ہوئی۔ دور دور سے لوگ اس شوق میں آتے تھے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کہ میر صاحب کی زبانِ مبارک سے اُن کا کلام سُنیں۔ اور اپنے اپنے شہروں کو اُن کے اشعار بطور سوغات لے جائیں۔ یہ مقبولیت اُردو کے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اُس وقت سے اب تک میر صاحب کے کمال کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور بڑے بڑے شاعروں نے انہیں استاد مانا ہے۔ چنانچہ مرزا غالب فرماتے ہیں ؎

ریختہ کے تمہیں اُستاد نہیں ہو غالب — کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

ذوق نے میر صاحب سے متعلق فرمایا ہے ؎

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غالب نے ایک اور جگہ کہا ہے ؎

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

غزل نمبر ۱

(۱) میر صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کی زندگی پانی کے بلبلے کی طرح ہے۔ اور اس زندگی میں نمائش دکھانا ایک طرح کا دھوکا ہے۔

؎ زیست کا کیا اعتبار امیر — آدمی بلبلا ہے پانی کا

(2) فرماتے ہیں کہ محبوب کے ہونٹوں کی نزاکت کیا بیان کی جائے وہ تو گلاب کی پنکھڑی جیسے نرم اور سُرخ ہیں۔

(3) فرماتے ہیں کہ میں بار بار محبوب کے دروازہ پر جاتا ہوں کیونکہ مجھے محبوب کی جدائی بے قرار رکھتی ہے۔

(4) فرماتے ہیں کہ جب میں نے محبوب کے دروازے پر جاکر آواز دی، تو وہ اندر سے بولے یہ آواز

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

میر خانہ خراب کی ہے۔

(5) میر صاحب فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کی آدھی کھلی ہوئی آنکھوں میں شراب کی سی مستی دکھائی دیتی ہے۔

غزل نمبر (2)

(1) میر صاحب فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں میں آنسو نہیں آتے۔ جب بھی آتے ہیں خون کے آنسو آتے ہیں۔

(2) فرماتے ہیں کہ میرے ہوش ہر وقت قائم رہتے ہیں لیکن جب میرا محبوب آتا ہے تب میرے ہوش اُڑ جاتے ہیں۔

(3) فرماتے ہیں کہ محبوب کی جُدائی میں صرف ایک صبر ہی میرا ساتھی تھا لیکن مُدت سے اب وہ بھی ختم ہو گیا ہے۔

(4) فرماتے ہیں کہ میرے دل کی کوئی خواہش مر چکی ہے اس لئے میرا رونا بلا وجہ نہیں ہے بلکہ میرا رونا خواہش کے مر جانے پر ہے۔

(5) فرماتے ہیں کہ عشق میں حوصلہ رکھنا ایک شرط ہے ورنہ بات کرنے کا مجھے بھی طریقہ یاد ہے

ہم بھی مُنہ میں زبان رکھتے ہیں — کاش پوچھو کہ مُدعا کیا ہے

(6) فرماتے ہیں کہ اے میرے ساتھی! میرے دل میں کیا کیا گزر رہی ہے لیکن بات لب تک نہیں آتی یعنی میں تمہارے سامنے بول نہیں سکتا۔

غزل نمبر (3)

(1) میر صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک میں زندہ رہا دُکھوں میں ہی پھنسا رہا۔ دل کے چلے جانے کے بعد بھی مجھے دُکھ ہی دُکھ رہا۔

(2) فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب [illegible] کہ تمام غم

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تیرے حسن کی وہی کیفیت رہی۔

(3) فرماتے ہیں کہ جس کاغذ پر میرے رونے کا ذکر درج تھا۔ وہ کاغذ بھی بڑی مدت تک گیلا ہی رہا۔

(4) فرماتے ہیں کہ اے میر! اب تو تیری جوانی ختم ہو گئی ہے اور بڑھاپا آگیا ہے لیکن تو نے کبھی بھی خدا کا نام نہ لیا۔ اب تو تیرے جینے کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتش

پیدائش سنہ 1778ء وفات سنہ 1846ء

خواجہ حیدر علی آتش ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے والد خواجہ علی بخش نواب شجاع الدولہ کے عہد میں دلی چھوڑ کر فیض آباد آئے۔ آتش کی پیدائش فیض آباد میں ہوئی لکھنؤ کے نواب مرزا محمد تقی خان تقی کی ملازمت اختیار کر کے لکھنؤ چلے آئے وہاں مصحفی اور انشا کے زور دار مقابلے ہوتے تھے اُس کو دیکھ کر ان کو بھی شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ مصحفی کے شاگرد ہوئے اور چند روز کی محنت سے ایسی مشق بہم پہنچائی کہ خود صاحب طرز ہو گئے۔

آتش نہائیت سادہ زندگی بسر کرتے تھے جس میں تکلف اور بناوٹ بالکل نہیں تھی وہ حسن کے عاشق تھے اور نہائیت آزاد طبیعت تھے۔ تلوار باندھتے تھے اور مشاعروں میں بھی تلوار ساتھ لے جاتے تھے۔ نہائیت صبر و قناعت سے زندگی بسر کی۔ کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی۔ اسّی روپیہ مہینہ بادشاہ سے ملتا تھا۔ جس سے نہائیت مشکل سے گزارہ چلتا تھا۔ ایک ٹوٹا پھوٹا مکان تھا جس میں غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ طبیعت میں انتہا درجہ کی وضعداری اور خودداری تھی۔ کلام میں اُن کے تخلص کے اعتبار سے گرمی بہت ہے۔ الفاظ موتیوں کی طرح پروئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ محاورات ایسے جڑتے ہیں کہ شاعری مرصع سازی

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

معلوم ہوتی ہے وہ خود فرماتے ہیں۔ ع۔ شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

انہوں نے زبان کے سنوارنے اور پاکیزہ بنانے میں بڑی استادانہ مہارت دکھلائی ہے وہ فن کے رچاؤ اور زیبائش کا بڑا واضح تصور رکھتے تھے۔

غزل نمبر (1)

(1) آتش فرماتے ہیں کہ اے خدا! تیرے جیسا بیکسوں کو پالنے والا دوسرا اور کوئی نہیں تو دکھیوں کا ہمدرد ہے اور بیماروں کا مددگار ہے۔

(2) فرماتے ہیں کہ نمرود ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ آگ میں ڈالا تھا وہ آگ تیرے حکم سے گلزار بن گئی اور تو نے حضرت ابراہیمؑ کو اس طرح بچالیا۔

(3) فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو دریا نے تیرے حکم سے راستہ دے دیا۔ اور فرعون جیسے ظالم بادشاہ کو تو نے دریائے نیل میں غرق کر دیا۔

(4) فرماتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کی کشتی کو طوفان میں بھی پار لگا دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تیرے جیسے زمہ دار (ضامن) کا کوئی جواب نہیں۔

(5) فرماتے ہیں کہ اے آتش! تیرے جیسے سخاوت کرنے والے خدا سے یہی دعا ہے۔ اے سخاوت کرنے والے مجھے کسی کنجوس کا محتاج نہ کرنا۔

غزل نمبر (2)

(1) فرماتے ہیں کہ اگر انسان اپنے دل سے نفرت کا جذبہ نکال دے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے دلوں سے نااتفاقی کی باتیں ختم ہو جائیں۔

(2) فرماتے ہیں کہ بہار کا موسم آنے والا ہے اس لئے باغ سے زرد پتے جنہوں نے خزاں کا موسم دیکھا ہے باغ سے ختم ہو جائیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(3) فرماتے ہیں کہ بہار کا موسم آگیا ہے مستی میں آکر ہر ایک آدمی کپڑے پھاڑے تاکہ دل کی بھڑاس دور ہو جائے۔

(4) فرماتے ہیں کہ اے پاگل پن! ہم جنگل میں بڑی مدت کے بعد آئے ہیں اس لئے میرے پاؤں کے چھالے کیکر کے کانٹوں کے چبھنے سے دور ہو جانے چاہئیں۔

(5) فرماتے ہیں کہ اے آتش! محبوب کی آنکھوں کے اشارے سے کوئی تعجب نہیں کہ زمانے کی تمام گردشیں جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں دور ہو جائیں۔

غزل نمبر (3)

(1) فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کے لبوں ~~پر میرے~~ کے متعلق کیا کیا وہم و گمان آتے ہیں۔ اور میرے اور اس کے درمیان کیسی کیسی باتیں آتی ہیں۔

(2) فرماتے ہیں کہ باغ کی زمین میں کیسے کیسے پھول کھلتے ہیں اور آسمان کے کیا کیا رنگ بدلتے ہیں یعنی تبدیلیاں آتی ہیں۔

(3) فرماتے ہیں کہ سکندر اور دارا جیسے نامی بادشاہوں کے نام و نشان بھی مٹ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی قبریں بھی باقی نہیں رہیں۔

(4) فرماتے ہیں کہ باغ میں بہار کا موسم آن پہنچا ہے۔ اس لئے آج باغ کے مالی بھی خوش نظر آتے ہیں۔

(5) فرماتے ہیں کہ غم، دکھ، درد، رنج، الم اور بدنصیبی آج کل یہی ہمارے مہربان ہیں۔

(6) فرماتے ہیں کہ میری زبان خدا کی نعمتوں کا جس قدر بھی شکر کرے وہ تھوڑا ہے کیونکہ وہ تمام قسم کی پدارتھوں کے مزے اڑاتی ہے۔

(7) فرماتے ہیں کہ اے آتش! تمہاری شعر و شاعری کو جو لوگ سنیں گے وہ نہایت خوش ہوں گے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مرزا اسداللہ خان غالب

پیدائش 1796ء　　　　وفات 1869ء

اسداللہ خان نام اور غالب تخلص تھا۔ 1796ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اُن کی پرورش چچا کے سپرد ہوئی۔ نو سال کی عمر میں چچا بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ تیرہ برس کی عمر میں شادی ہو گئی یکے بعد دیگرے سات بچے پیدا ہوئے۔ ایک نہ بچا۔ اس طرح مرزا کی ساری عمر دکھوں میں کٹی۔ خود ایک جگہ فرماتے ہیں سے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

مرزا غالب کے اردو کلام میں غزل کے سوا کوئی صنف شمار کے قابل نہیں غزل جو ابتدائے شاعری سے محبوب ترین صنفِ سخن ہے۔ غالب کی بھی منظورِ نظر رہی۔ غزل میں غالب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُن کے تجربات کا نچوڑ ہے۔

فلسفہ، تصوف، نفسیاتی حقائق، ظرافت، تخیل، فن، شوخی، یاس حسن کلام، زورِ طبع سب اُن کی غزل میں موجود ہے۔ اسلوب بیان کی جدت قابلِ داد ہے اور ندرتِ خیال قابلِ تحسین ہے۔ یہ خوبیاں غالب کو اردو شاعری میں ایک بلند اور ممتاز مقام دلاتی ہیں۔ مرزا شگفتہ مزاج تھے۔ ذہن و ذکاوت کے ساتھ قوتِ حافظہ بھی لاجواب رکھتے تھے۔ شوخی اور ظرافت مزاج میں بہت تھی۔ تحریر ہو یا تقریر کوئی بات اُن کی لطافت و ظرافت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ طبیعت میں فیاضی، سیر چشمی اور خودداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ مذہبی تعصبات سے آزاد تھے ہر مذہب و ملت کے ساتھ یکساں محبت اور روا داری

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

برتاؤ تھا۔

غزل نمبر (1)

(1) غالب فرماتے ہیں کہ نہ تو میری کوئی امید پوری ہوتی ہے اور نہ ہی پوری ہونے کی کوئی صورت نظر آتی ہے اس لئے کریں تو کیا کریں۔

(2) فرماتے ہیں کہ موت تو اپنے مقررہ وقت پر آنی ہی ہے۔ اس کا انتظار کیوں کیا جائے دوسرا مطلب یہ ہے کہ موت تو دن کو آنی ہے رات کو نیند بھر کر کیوں نہ سویا جائے۔

(3) فرماتے ہیں پہلے تو میں اپنے دل کی حالت پر ہنستا تھا لیکن اب رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ (4) فرماتے ہیں کہ عبادت اور پرہیزگاری کے ثواب (پھل۔ نیکی) سے باخبر ہوں مگر کیا کروں۔ میرا دل ان باتوں کی طرف نہیں لگتا۔

(5) فرماتے ہیں کہ میں کسی مصلحت کی خاطر چپ رہتا ہوں ورنہ مجھے تمہارے سب راز معلوم ہیں۔ فوراً کہہ ڈالوں گا۔

(6) فرماتے ہیں کہ ساری عمر گنہگاری اور شراب خوری میں گذری۔ اب کیا منہ لیکر کعبہ جاؤ گے۔ شائد تمہیں شرم نہیں آتی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے منہ سے تو شراب کی بو آتی ہے کون منہ لیکر کعبہ جاؤ گے کیا تمہیں وہاں جاتے ہوئے شرم نہ آئے گی۔

غزل نمبر (2)

(1) فرماتے ہیں کہ اے غالب! جب عشق کے درد کی کوئی دوا ہی نہیں تو پھر تجھے یہ کیا ہو گیا کہ تو اس مصیبت میں پھنستا ہے

(2) فرماتے ہیں کہ میرے منہ میں بھی زبان ہے میں آپ کی نسبت ہر ایک بات کو جانتا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہوں اور کچھ بھی سکتا ہوں لیکن افسوس! کہ ایک دفعہ پوچھو تو سہی کہ میری خواہش کیا ہے؟

(3) فرماتے ہیں ہم اس قدر نادان ہیں کہ اُن سے محبت کی اُمید رکھتے ہیں۔ اور وہ اس قدر کمسن ہیں جنہیں ابھی محبت کا پتہ ہی نہیں ہے

(4) فرماتے ہیں درویش کی صدا یہی ہوتی ہے کہ "کر بھلا ہو بھلا" اور اُس کا یہ قول بالکل سچ ہے۔ اس لئے اے میرے محبوب! تو بھی ہم درویشوں کا بھلا کر۔ تیرا بھی بھلا ہوگا۔ غالبؔ شعر ہے جو اپنے آپ کو درویش کہا ہے۔

(5) فرماتے ہیں کہ میں خالی دُعا کا قائل نہیں ہوں۔ جان نثاری ہی سب سے بڑی دعا ہے

(6) فرماتے ہیں اے میرے محبوب! میں یہ مانتا ہوں کہ غالبؔ کسی کام کا نہیں ہے لیکن اگر تمہیں مفت میں ایک غلام ملتا ہے تو تم انکار نہ کرو بیشک اُسے لے لو۔

غزل نمبر (5)

(1) فرماتے ہیں کہ اگر ابن مریم یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کوئی ہے تو ہوا کرے۔ میں تو اُسے تب مانوں گا اگر وہ میرے عشق کی بیماری کا علاج کرے۔

(2) فرماتے ہیں کہ نہ جانے میں دیوانگی کی حالت میں کیا کیا راز کی باتیں کہے جاتا ہوں۔ خدا کرے کہ وہ اُن کا مطلب کچھ نہ سمجھے۔ ورنہ راز فاش ہو جائے گا اور رسوا ہونے کی خدا جانے کیا سزا دیگا۔

(3) فرماتے ہیں اگر کوئی بُرا کہتا ہے تو کان بند کر لو۔ اگر کوئی بُرا کرتا ہے تو زبان بند کر لو۔ زبان سے مت کچھ بولو۔

(4) فرماتے ہیں اگر کوئی غلط راستے پر چلتا ہو تو اُسے منع کر لو۔ اگر کوئی غلطی یا گناہ کرتا ہے تو اُسے معاف کر دو۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(5) فرماتے ہیں دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو حاجت مند نہ ہو۔ اگر کوئی کسی کی حاجت پوری نہ کر سکے تو شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی میری طرح اُس چیز کی حاجت رکھتا ہوگا۔

(6) فرماتے ہیں کہ گلہ اُمید پر ہی ہوا کرتا ہے۔ جب اُمید ہی نہ رہے اور مایوسی کا عالم ہو تو گلہ کس بات کا ہے۔

مولانا الطاف حسین حاؔلی

پیدائش سنہ 1837ء وفات سنہ 1914ء

حاؔلی سنہ 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے جب نو برس کے تھے تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم رسم زمانہ کے مطابق قرآن شریف سے شروع کرائی گئی۔ تعلیم کے شوق نے گھر سے قدم اُٹھایا اور وہ دہلی آ گئے۔ یہاں عالموں اور شاعروں کی صحبت نصیب ہوئی مرزا غاؔلب کے شاگرد ہوئے۔ غدر کے ہنگامے میں کئی سال تک اِدھر اُدھر گھر سے باہر رہے۔

غدر سے تین چار سال بعد اُن کی ملاقات نواب مصطفےٰ خان شیفتہ سے ہوئی۔ شیفتہ کی صحبت میں کئی سال رہے۔ حاؔلی نے شیفتہ کے خیالات کا بڑا اثر لیا۔ وہ آٹھ برس تک شیفتہ کے یہاں رہے۔ پھر لاہور چلے گئے وہاں گورنمنٹ بک ڈپو میں ترجمہ نگار کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ اس کام میں حاؔلی کو انگریزی ادب سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ اس طرح حاؔلی نے مغرب کے ادب سے بہت کچھ سیکھا۔ اور یہ سمجھا کہ مغرب کے شعر و ادب کے مقابلے میں ہمارا ادبی سرمایہ بہت پیچھے ہے۔ اس خیال کے تحت حاؔلی نے قوم کو اس کی ترقی اور جدید خیالات کو ادب میں داخل کرنے کی تحریک چلائی۔ نئے نئے مضامین لکھے گئے، نئے نئے موضوعات میں بحثیں شروع ہوئیں۔ پرانے طریقہ شاعری کو ترک کیا گیا۔ نیچرل اور قومی شاعری کی بنیاد حالی ہی نے رکھی۔ سنہ 1914ء میں حاؔلی کا انتقال ہوا۔

CG-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، حیاتِ سعدی اور مقدمہ شعر و شاعری آپ کی تصانیف ہیں۔

غزل نمبر (۱)

(۱) حالی فرماتے ہیں کہ آپس میں حد سے زیادہ میل جول نہیں بڑھانا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے زیادہ نفرت پیدا ہو جائے۔

(2) فرماتے ہیں کہ میٹھا بولنے سے سارے جہان کو یعنی ہر ایک کو مطیع کیا جا سکتا ہے۔ اور میٹھا بولنے میں کوئی زیادہ دولت بھی خرچ نہیں ہوتی۔

(3) فرماتے ہیں کہ ہر ایک سے اپنے دُکھ درد اور مصیبتیں بیان کرنا اُن مصیبتوں سے یہ مصیبت زیادہ ہے۔ (4) فرماتے ہیں کہ اپنے اندر انسانی خوبیاں پیدا کرنا فرشتہ ہونے سے اچھی ہیں لیکن اس میں محنت زیادہ کرنا پڑتی ہے۔

(5) فرماتے ہیں کہ زمانے نے ہمیں اس دُنیا میں مُفت خرید لیا ہے لیکن ہم نے اپنے دِل میں یہ سوچ لیا کہ یہ قیمت ہمارے لئے مہنگی نہیں ہے۔

(6) فرماتے ہیں اے حالی! تیری غزل میں وہ رنگینی اور وہ دِل کشی نہیں ہے۔ اس لئے آپ اب زیادہ راگ نہ گائیں۔

غزل نمبر (2)

(۱) فرماتے ہیں اگرچہ جوانی میں ہم بہت غلط اور ٹیڑھے کام کیا کرتے تھے لیکن جوانی کا زمانہ ہمیں بہت یاد آتا ہے۔

(2) فرماتے ہیں کہ سرو یا گلاب کا پھول آنکھوں کو پسند نہیں آ رہا کیونکہ میرے دِل میں محبوب کی خوبصورتی کا نقش جم گیا ہے۔

(3) فرماتے ہیں کہ چاہِ یوسف (وہ کنواں جہاں یوسف کے بھائیوں نے اس کو گرا دیا تھا) سے یہ آواز آ رہی ہے کہ اس دُنیا میں دوست کم ہیں اور یوسف جیسے بھائی زیادہ ہیں یہ طنز ہے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(4)، فرماتے ہیں جب میں نے اپنے محبوب پر اپنی جان قربان کردی تو وہ یوں کہنے لگے کہ اس دنیا میں جان دینے والے تھوڑے ہیں اور تماشا دیکھنے والے زیادہ ہیں۔

(5)، فرماتے ہیں کہ خاکساری، حلیمی اور نرمی ایک ایسی چیز ہے جو اس دنیا میں ادنےٰ لوگوں کو بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیتی ہے۔

(6)، فرماتے ہیں کہ زمانے کے حالات نے ہماری زبان بند کردی ہے۔ ورنہ ہم پہلے بہت ہی زیادہ باتیں کیا کرتے تھے۔

(7)، فرماتے ہیں اے حالیؔ! ہم یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ چُپ رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ سچی باتیں کہنے میں بہت رسوائی ہوتی ہے۔ سُنا نہیں کہ سچی بات کڑوی ہے۔

سید فضل الحسن حسرتؔ موہانی

پیدائش سنہ 1875ء — وفات 13 مئی سنہ 1951ء

فضل الحسن نام اور حسرتؔ تخلص ہے۔ سنہ 1875ء میں قصبہ موہان میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ بی۔ اے علیگڑھ سے پاس کیا۔ تسلیمؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ اُن کے اشعار کی زبان پر لکھنؤ کا اثر ہے لیکن وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے مومنؔ اور نسیمؔ کا تتبع کیا ہے۔ شعر و ادب کا ذوق فطری تھا۔ تسلیمؔ نے اس کو نکھار دیا۔ حسرتؔ کی زندگی ایک حسین مجموعۂ اضداد تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے حسرتؔ نے ایک طرف اُردو کی خدمت شروع کی۔ دوسری طرف آزادیٔ ہندوستان کی جدوجہد میں پُرجوش شرکت کی۔ "اُردوئے معلےٰ" ایک ماہنامہ جاری کیا اور کانگرس کے باعمل ممبر بن گئے۔ اپنے سیاسی نظریات کے تحت سنہ 1908ء میں پہلی بار گرفتار ہوئے پھر تو قید و بند نے ایک عادت کی صورت اختیار کرلی۔ لیکن جیل میں بھی شعر و شاعری کرتے رہے چنانچہ لکھتے ہیں:

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی

اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

تمام عمر سیاسی الجھنوں میں گرفتار رہے۔ ہند پارلیمنٹ کے ممبر بھی رہے لیکن اپنی راستبازی سے باز نہ رہے۔ انہوں نے اپنے کو غزل تک ہی محدود رکھا اور غزل کے امام کہلائے۔ اردو غزل میں نئی تحریک کے جو اثرات پائے جاتے ہیں وہ اُس کے موجد بھی ہیں۔ سادگی، بے ساختگی، آمد اور روانی، حقیقت نگاری اور فنِ غزلیت اور شعریت اُن کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ اُن کے کلام میں جدید اور معنی خیز ترکیبیں بھی ملتی ہیں۔

غزل نمبر (2)

(1) فرماتے ہیں اے حسرت احبب تو نے عشق کی تمناؤں کا اظہار کیا تو محبوب نے بھی مست حُسن کو سنوارنا اور آراستہ کرنا شروع کیا۔

(2) فرماتے ہیں اے میرے محبوب! میں سمجھتا تھا کہ تیرے ملنے سے میرے دل کو تسکین حاصل ہوگی لیکن یہاں تو تمہارے ملنے سے اور زیادہ بے چینیاں بڑھ گئیں۔

(3) فرماتے ہیں اے میرے محبوب! مجھے تیرا خط ملا تو اُسے پڑھ کر میرے دل کی عجیب حالت ہو گئی اور عشق کی بے قراری نے ایک قیامت برپا کر دی۔

(4) فرماتے ہیں کہ محبوب کی ناز بھری آنکھوں نے معلوم نہیں کیا جادو کر دیا ہے کہ میرے دل کو کسی صورت اور کسی پہلو قرار نہیں آ رہا۔

(5) فرماتے ہیں اے میرے محبوب! تیری محبت نے میرے دل اور میری جان کو روشن کر دیا ہے اس لئے کہ جب میرے دل میں تیری محبت کی شمع جلی تو روشنی ہی روشنی ہو گئی۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(6)، فرماتے ہیں اے میرے محبوب! میرے رقیب میں اتنی جرأت ہی نہیں تھی کہ تیری محفل سے مجھے باہر نکالتا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ تو نے ہی اُسے اشارہ کیا تھا۔

(7)، فرماتے ہیں سبھوں کا یہ کہنا غلط تھا کہ محبوب اگر مہربانی کرے تو سکونِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے خلاف محبوب کی عنائیت نے تو میرے دِل میں عشق کے درد کو دُگنا کر دیا ہے۔

غزل نمبر (3)

(1)، فرماتے ہیں اے میرے محبوب! میرے ساتھ لاپروائی سے پیش آ کر ظلم کرنا میرے ہی لئے ہے۔ خدا کا ہزار شکر ہے کہ یہی میرے لئے جائز ہے۔

(2)، فرماتے ہیں کہ دشمن میرے مارنے کی کوشش میں ہیں اُن کے مارنے سے نہ میں مرا ہوں اور نہ مروں گا۔ ویسے تو مرنا قدرتی بات ہے کیونکہ میں فانی ہوں۔

(3)، فرماتے ہیں وہ حُسن کے بادشاہ ہیں اور جفا کرنا اُن کو واجب ہے۔ میں اُن کا غلام ہوں میرے لئے وفا کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ:۔

؎ وہ کرتے ہیں جفا اُن کو جفا مجبور کرتی ہے
میں کرتا ہوں وفا مجھ کو وفا مجبور کرتی ہے

(4)، فرماتے ہیں اے میرے محبوب! جب تو نے مجھے بیکس دیکھا تو تیری مہربانی نے تجھے پکار کر کہا کہ یہ بس، مجبور اور لاچار غلام تیری مہربانی کے قابل ہے۔

(5)، فرماتے ہیں محبوب کی (پریشان) بکھری ہوئی زلفوں کی خوشبو لے کر بادِ صبا میرے دل و دماغ کو معطر کرنے کو آ رہی ہے۔

(6)، فرماتے ہیں میرا محبوب غیروں پہ تو مہربانیاں کرتا ہے لیکن میری قسمت میں ایسا لکھا ہے کہ وہ میرے لئے ستم کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

علی سکندر جگرؔ مرادآبادی

پیدائش ۱۸۹۰ء وفات ۱۹۶۰ء

علی سکندر نام، جگرؔ تخلص، مرادآباد میں ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ جگرؔ کی استعداد علمی معمولی تھی البتہ فارسی کا ذوق خاصا تھا۔ جگرؔ فطرتاً شاعر تھے۔ اُن کے کلام کی خصوصیات دلکشی دل نشینی، رنگینی، سرمستی اور کیف و ترنم ہے۔ جگرؔ کی شعری و معنوی خیالات بہت مختصر ہیں وہ انہیں الٹ پھیر کر دُہراتے ہیں۔ اُن کی شاعری کا اخلاقی معیار بہت بلند ہے۔ غزل کے پردے میں وہ انسانی خام کاریوں پر شدید ترین ضرب لگاکر گزر جاتے ہیں۔ جگرؔ کے کلام میں حقائق و معارف کی بھی چاشنی نظر آتی ہے۔

جگرؔ صاحب الفاظ کے استعمال میں محتاط نہیں ہیں تاہم اُن کے کلام میں ترنم اور حُسن کاری بے حد ملتی ہے۔ اُردو کے بہت کم شاعروں نے اپنے دَور کی شاعری پر جگرؔ کے برابر اثر ڈالا ہے نغمۂ دل اور لحن دلنواز، قدرت نے جگرؔ کو اِن دونوں اوصاف سے بہرہ ور کیا جو عوامی مقبولیت کا جادو جگاتے ہیں۔ وہ بڑے رنگین طبیعت، زندہ دل، احباب پرست اور شگفتہ مزاج آدمی تھے۔ جگرؔ میں یہاں فکر میں افسردگی، مایوسی اور دل کی موت کا کہیں گزر نہیں ہے۔

ابتدا میں مے آشامی و سرشاری کی وجہ سے کبھی کبھی لغزشیں بھی ہوجاتی تھیں۔ مگر ترکِ توبہ کے بعد کلام کے حسن، اُن کی نشتریت، اُس کی پُرکار سادگی اور اُس کی نغمگی و ترنم نے جگرؔ کو اُردو کا حافظ بنا دیا تھا۔ اُن کی آواز میں بلا کا رس اور شیرینی تھی۔ جگرؔ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر سروری لکھتے ہیں "داغؔ کے رنگ میں بہت سے شاعروں نے لکھنے کی کوشش کی لیکن وہ تقلید سے آگے نہ بڑھ سکے لیکن جگرؔ اس راستے پر گامزن ہوکر ایک نئی

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

راہ کھول لیتے ہیں۔ جو زبان کی حد تک داغ کی سادگی کا نچوڑ ہے لیکن خیال و صناعی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ جگر کی شاعری عاشقانہ ہوتے ہوئے بھی داغ کے مادی تلمذ سے پاک ہے۔ اس میں ایک روحانیت کی جھلک ہے۔ جگر کے کلام کے کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔"
داغِ جگر، آتش گل، شعلۂ طور وغیرہ، داغ نے ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

غزل نمبر ۱،

(۱) فرماتے ہیں اگر دردِ دل چلا جائے تو زندگی کی ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ اگر عشق کا غم ختم ہو جائے تو ساری دُنیا کے لطف ختم ہو جاتے ہیں کیونکہ سوز و گداز اور درد و غم ہی عاشق کی غذا ہے۔

(2) فرماتے ہیں محبوب کے بہلانے سے کبھی میرا دل نہ بہلا۔ اُن کی مہربانی اور توجہ کی ساری کوشش برباد چلی گئی۔

(3) فرماتے ہیں عاشق کا محبوب کی خاطر مرنا تو معمولی سی بات ہے لیکن اگر محبوب نے اُسے زندہ نہ کیا تو اُس کا یہ مطلب ہے کہ۔ ع ابنِ مریم ہوا کرے کوئی

(4) فرماتے ہیں محبوب کی طبیعت ہماری طبیعت سے نہیں ملتی۔ اس کا چرچا دُور دُور تک پھیل گیا ہے۔

(5) فرماتے ہیں اے نصیحت کرنے والے! محبت ترک کرنا درست ہے بجا ہے۔ لیکن اگر محبوب کو یہ معلوم ہو گیا تو وہ کیا سمجھے گا۔

(6) فرماتے ہیں اے جگر! زندگی میں دُکھوں سے کب چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔ زندگی اگر ختم ہو گئی تو موت آ جاتی ہے یعنی یہ چکر چلتا ہی رہتا ہے۔ غالب فرماتے ہیں ؎

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

ذوق کا یہ کہنا ہے:۔ ؎ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کر بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

غزل نمبر (5)

(۱) فرماتے ہیں بہار کے موسم میں باغ کی ہر چیز پر میرا حق ہے۔ چاہے میں شاخ، سبزہ اور پتوں پر رہوں۔ چاہے میں کلیوں، پھولوں اور کانٹوں پر رہوں۔ ہر چیز پر مجھے رہنے کا حق ہے۔

(2) فرماتے ہیں مجھے غصہ میں آکر دھمکیاں نہ دیں۔ اگر مجھ پر لاکھ بار بجلیاں بھی گریں۔ میری بادشاہی میرا گھونسلہ ہی ہے اور میری ملکیت گھونسلے کے انہیں چار تنکوں پر ہے۔

(3) فرماتے ہیں زمانے میں عجیب و غریب تبدیلیاں آرہی ہیں لیکن میری کہانی نہائیت مختصر سی ہے۔ میرا سر جو کندھوں پر اب بوجھ بنا ہوا ہے۔ یہی سر کبھی محبوب کے زانوؤں پر ہوتا تھا۔ (4) فرماتے ہیں اے صبا! میری طرف سے میرے محبوب کو جاکر میرے غموں کا آخری پیغام سُنا دے کہ اگر مجھے دیکھنا ہو تو آکر دیکھ لے کہ خزاں اپنی بہاروں پر ہے۔

(5) فرماتے ہیں میں عشق کے درد میں پھنسا ہوا سہی۔ اور مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے۔ محبوب کا غم میرا عاشق ہے اور میں محبوب کے غم کا عاشق ہوں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ولی محمد نظیر اکبر آبادی

پیدائش 1725ء وفات 1825ء

سید ولی محمد نام، نظیر تخلص، اکبر آباد میں 1725ء میں پیدا ہوئے۔ نظیر اردو میں پہلے شاعر ہیں جنہوں نے غزل گوئی اور قصیدہ گوئی ترک کر کے واقعات معاشرت اور مناظر قدرت پر نظمیں لکھنا شروع کیں۔ وہ اپنے طرز کے آپ موجد تھے۔ نہ کسی کی شاگردی کی اور نہ کسی سے اصلاح لی۔ نظیر اپنی نظموں میں عوام کی زبان استعمال کرتے تھے اسی لئے اُن کی کافی مقبولیت ہوئی۔

نظیر خالص ہندوستانی شاعر تھے۔ ہندوستان کی زندگی اور ہندوستان کے رسوم و روایات اُن کی شاعری کے عناصر ہیں وہ اپنے گرد و پیش کی زندگی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ نظیر اُردو کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام پڑھ کر ہندوستان کے حالات، یہاں کے عام معاشرت اور رسم و رواج سے متعلق معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اُن کے موضوع بھی زیادہ تر ہندوستانی ہیں وہ یہیں کے دریا، یہیں کے پہاڑ اور یہیں کے بزرگانِ دین کے گیت گاتے ہیں اور ہندو مسلمان، سکھ ہر مذہب کے بزرگان اور پیشواؤں سے یکساں طور پر دلی عقیدت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کو عوامی شاعر کہا جاتا ہے۔ نظیر کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زندگی کی تہوں میں اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے۔

نظیر کا مجموعۂ کلام "کلیاتِ نظیر" چھپ چکا ہے اس میں مختلف عنوانات پر بہت سی نظمیں ہیں اکثر نظمیں ظرافت آمیز ہیں۔ نظیر حقائق و معارف کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں۔ واقعات زمانہ کے اچھے بُرے دونوں پہلوؤں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اُن کی مشہور نظمیں "بنجارہ نامہ"۔ "آدمی نامہ"۔ "کل جگ"۔ "ہولی"۔ "برسات کی بہاریں"۔ "عاشق نامہ" وغیرہ نہایت مقبول اور زبان زدِ عام ہیں۔ نظیر نے 1825ء میں وفات پائی۔

مکافاتِ عمل (اعمال کا بدلہ)

اس نظم میں نظیر صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے اعمال کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اور دست بدستی ملتا ہے۔ اے میاں! یہ دُنیا عجیب ہی قسم کی ہے۔ مہنگوں کے لئے تو یہ مہنگی ہے اور سستوں کے لئے سستی ہے۔ یہاں ہر وقت لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ اور ہر وقت عدالتیں لگتی رہتی ہیں۔ مست لوگوں کے لئے یہ دُنیا مستی ہے اور پست لوگوں کے لئے پستی ہے۔

یہاں دیر اور اندھیر نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔ اِس ہاتھ سے کرو اُس ہاتھ سے بدلہ مل جاتا ہے یہ دست بدستی سودا ہے۔ جیسا کہ یہ ایسا اصول ہے۔

ع۔ بھگوان کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔

اگر کوئی کسی پر جھوٹا الزام لگاتا ہے اور وہ بےچارہ غریب ناحق میں مارا جاتا ہے تو جھوٹا الزام لگانے والا بھی اُس کی سزا پاتا ہے جیسا وہ کرتا ہے اُسے ویسا ہی مل جاتا ہے کیونکہ اس دُنیا میں دیر اور اندھیر نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔ اِس ہاتھ سے کرو اُس ہاتھ سے بدلہ مل جاتا ہے یہ دست بدستی سودا ہے۔

جو کوئی کسی آدمی کی جان بچاتا ہے تو خدا بھی اُس آدمی کی بچا لیتا ہے۔ جو کسی کی عزت رکھتا ہے خدا اُس کی بھی عزت رکھ لیتا ہے جو کوئی بھی اس دُنیا میں رہتا ہے وہ اپنے دل میں اس بات کا خیال رکھے اور پکا ارادہ کرے کہ جب تک یہ آباد دنیا ہے اِس بات کا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دھیان رکھے۔ یہاں کوئی دیر نہیں ہے اندھیر نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے اس ہاتھ سے کر د اُس ہاتھ سے بدلہ مل جاتا ہے یہ دست بدستی سودا ہے۔

جو کسی کا بیڑا پار کرتا ہے اُس کا بھی بیڑا پار ہوتا ہے۔ جو کسی کے بیڑے کو ڈبوتا ہے تو اُس کا بیڑا بھی ڈوب جاتا ہے۔ جو کسی کو تلوار، تیر، تبر اور بندوق وغیرہ دکھاتا ہے اُس کو بھی یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا جو جیسا جیسا کرتا ہے ویسا ویسا بھرتا بھی ہے کیونکہ یہاں کوئی دیر یا اندھیر نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔ اِس کے ہاتھ سے کر د اُس ہاتھ بدلہ مل جاتا ہے یہ دست بدستی سودا ہے۔ جو دوسروں کی ترقی چاہے تو اُس کی بھی ترقی ہوتی ہے۔ جو دوسروں کو گراتا ہے اُس کو بھی کوئی گرانے والا ہوتا ہے۔ جو کسی بیکس، بیگناہ اور مظلوم کو مارتا ہے تو اس ظالم کا بھی خون ندی نالے کی طرح بہتا ہے۔ یہاں کوئی دیر یا اندھیر نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔ اِس ہاتھ سے کر و اُس ہاتھ سے بدلہ مل جاتا ہے یہ دست بدستی سودا ہے۔

میر ببر علی انیس

پیدائش ۱۸۰۲ء ۔۔۔ وفات 1875ء

میر ببر علی انیسؔ کا خاندان دلی کا خاندان تھا۔ وہ خاندانی شاعر تھے چنانچہ ایک موقعہ پر خود فرماتے ہیں: ؎ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

میر انیسؔ کے کلام کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ مولانا آزاد آبِ حیات میں فرماتے ہیں "انہوں نے ایجادی مضامین کے دریا بہا دئے ایک مقررہ مضمون کو سینکڑوں نہیں ہزاروں رنگ سے ادا کیا۔"

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

انیس اردو میں ایک ایسا شاعر ہوا ہے جس نے غزل کے تنگ میدان سے نکل کر اردو شاعری کو وسعت دی۔ مناظر قدرت اور جذبات انسانی کی تصویریں جو انیس نے کھینچی ہیں۔ ان کا جواب اردو زبان میں ملنا دشوار ہے۔ اس کی شاعری میں مصوری کا لطف آتا ہے۔ بندش کی چستی، نشست الفاظ کی خوبی۔ ترکیب کی دلآویزی، برجستگی اور سلاست میر انیس کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ جس طرح ان کا کلام لاجواب تھا۔ اسی طرح ان کا پڑھنا بھی بے مثال تھا۔ ان کی آواز، ان کا قد و قامت، ان کی صورت اور ان کا انداز بیان غرض ہر شے اس کام کے لئے ٹھیک اور موزوں واقع ہوئی تھی۔ ان کا یہ قاعدہ تھا کہ ایک بڑا آئینہ سامنے رکھ کر خلوت میں بیٹھتے تھے اور مرثیہ پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ انیس اردو میں ایسا شاعر ہے جس نے اردو شاعری کو وسعت دی۔

حضرت حسینؑ کی جنگ کے لئے رخصت

مرثیہ وہ نظم ہے جس میں مرنے والے کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں۔ مرثیہ کے آٹھ اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں۔

(1) چہرہ:۔ اس میں منظر کشی کی جاتی ہے۔ صبح کا منظر، رات کا سماں وغیرہ۔

(2) سراپا:۔ اس میں ہیرو کے خط و خال کا ذکر ہوتا ہے۔

(3) رخصت:۔ اس میں رخصت لیکر میدان جنگ میں جانے کا بیان ہوتا ہے۔

(4) آمد:۔ اس میں ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان و شوکت سے رزم گاہ میں آنے کا ذکر ہوتا ہے۔

(5) رجز:۔ اس میں ہیرو کی زبان سے اسلاف کے کارناموں کا ذکر ہوتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

(6) جنگ:۔ اس میں جنگ کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(7) شہادت :- اس میں ہیرو کی شہادت کے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(8) بین :- اس میں مرنے والے کی لاش پر بین کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بندوں میں حضرت حسینؓ کے رخصت ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔

پہلا بند :- جس وقت دونوں طرف سے فوجیں میدان میں آگئیں اور دونوں طرف سے جھنڈے بلند ہو گئے۔ (یعنی یزید بادشاہ اور حضرت حسینؓ کی فوجیں) تو چاروں طرف شور مچ گیا کہ حضرت حسینؓ میدانِ جنگ میں کود پڑے ہیں۔ حضرت حسینؓ اپنے کنبہ کے تمام لوگوں کے درمیان رو رہے تھے اور ان کے قدموں پر نیک نام بانو پڑی ہوئی تھیں ان کے حرم سر کے بال بکھرے ہوئے ساتھ ہی کھڑے تھے۔ حضرت سکینہؓ (امام علیہ السلام کی سب سے چھوٹی صاحبزادی) نے حضرت حسینؓ کا کمر کا کپڑا ہاتھوں سے پکڑا ہوا تھا۔

دوسرا بند :- حضرت زینبؓ (حضرت حسینؓ کی بہن) تڑپ رہی تھیں اور ان کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ انہیں اتنا بھی ہوش نہ تھا کہ پاؤں میں جوتا پہنا ہوا ہے یا اور نہ ہی چادر کے اوڑھنے کا خیال تھا۔ سینہ زخمی ہوا تھا۔ دامن پھٹا ہوا تھا۔ حالت غیر تھی۔ اور پکار رہی تھیں اے فاطمہؓ کے بیٹے! مجھ پر رحم کرو۔ اگر آپ میرا ساتھ چھوڑ گئے تو مجھے کون پوچھے گا۔ مجھے اب ماں باپ کا بھی سہارا نہیں ہے۔

تیسرا بند :- حضرت حسینؓ نے جب حضرت زینبؓ کی ایسی حالت دیکھی تو وہ زار و قطار رونے لگے۔ فرمانے لگے کہ اے میری پیاری بہن! میں تیری محبت کے قربان جاؤں۔ انہیں اپنی ماں کا پیار یکدم یاد آ گیا لیکن فرمانے لگے۔ اب میرے بس کی بات نہیں رہی۔ یہ سب کچھ خدا کے حکم سے ہو رہا ہے اور مجھے خدا کی قسم ہے کہ مجھے ہر وقت اپنے وعدے کا خیال ہے۔ کیونکہ میں حضرت محمدؐ کا لال ہوں

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چوتھا بند:۔ حضرت محمدؐ سے ہم نے جو جو وعدے کئے ہیں ہم وہ سب کرکے دکھائیں گے۔ ہم ظلم کے تیر کھا کر شہید ہو جائیں گے۔ اپنا گلا ظالم کے خنجر کے نیچے رکھیں گے۔ اسلام کو بخشوانے کے لئے ہم پیاسے بھی مر جائیں گے۔ اب خدا سے دعا مانگو۔ فاطمہؓ کا بیٹا کسی صورت میں بھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔

پانچواں بند:۔ اتنی بات سن کر حضرت زینبؓ روتی ہوئی اپنے بھائی حضرت حسینؑ کے قدموں پر گر پڑی۔ حضرت حسینؑ نے اپنی بہن کو روتے روتے گلے سے لپٹا لیا۔ اور رو کر کہنے لگے کہ میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ اے زینبؓ! خدا کے واسطے اپنا سر مت پیٹو۔ خدا کے خاص بندوں کا دنیا میں رتبہ بلند ہوتا ہے۔ اس لئے آپ صبر سے کام لیں کیونکہ صبر کرنے والے پر خدا خوش ہوتا ہے۔

چھٹا بند:۔ اتنا فرمانے کے بعد حضرت حسینؑ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سکینہ کی طرف دیکھا۔ اس کو گودی میں بٹھا کر سرد آہیں بھرنے لگے۔ حضرت سکینہ شاہ حسینؑ کی بلائیں لے کر بولی۔ میں اس بات کو سمجھتی ہوں کہ آپ کی محبت کی یہ آخری نگاہیں ہیں۔ سکینہ کہنے لگی۔ آپ جو منہ موڑ موڑ کر روتے ہیں اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ مجھ معصوم کو گھر میں چھوڑ کر شہید ہونے کو جا رہے ہیں۔

ساتواں بند:۔ سکینہ کہنے لگی۔ مجھے اب یہ معلوم ہو گیا ہے کہ آپ واپس نہیں آئیں گے۔ میں آپ کی چھاتی پر سوتی رہی ہوں اب آپ اسے تڑپا رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر جائیں گے تو مجھے کبھی زندہ نہ دیکھیں گے۔ آپ اگر چلے جائیں گے تو میں آپ کی جدائی میں اپنی جان دے دوں گی۔ اگر آپ کو میرا مرنا ہی پسند ہے۔ تو آپ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں۔ میرا اس میں کوئی بس نہیں چلتا۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آٹھواں بند:۔حضرتِ سکینہ کا مُنہ چوم کر اور پیار کر کے حضرتِ حسینؑ فرمانے لگے۔
اے سکینہ! تیرے نرم و نازک اور سُرخ ہونٹوں پر حضرتِ حسینؑ قربان جاتا ہے۔ اے بیٹی! میں تیری حالت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اس لئے روتا ہوں کہ مجھے آپ کی جُدائی کا بے حد دُکھ ہے۔ تیرے اِن پھول جیسے نرم ہونٹوں پر قربان ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم دو دن سے پیاسی ہو۔

نواں بند:۔ اے سکینہ! اب تم رو و مت۔ میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ تم اپنی ماں کے پاس چلی جاؤ اور ہم پانی لینے کے لئے جاتے ہیں۔ اپنی سوکھی زبان دکھلا کر اپنے باپ کو مت تڑپاؤ۔ اے بیٹی! اپنے ننھے ہاتھوں سے خدا سے دُعا مانگو۔ اور خدا سے یہ کہو۔ اے خدا! ہم پیاسوں پر رحم فرماؤ۔

دسواں بند:۔ مجبور ہو کر وہ پری جیسی خوبصورت لڑکی اپنے باپ کی گودی سے اُتری اور حضرتِ حسینؑ محل سے باہر چلے آئے۔ سُورج نکل آیا اور اُس کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی اور تمام عقلمند ساتھی دُعا پڑھنے لگے۔ تمام رفیقوں نے حضرتِ حسینؑ کے پاؤں کے لو سے بڑے ادب سے لئے۔ اور سب نمازی سلام کے لئے جھک گئے۔

گیارہواں بند:۔ خدا کے ولی، ساتھی، انسانوں اور جنوں کے سردار، جوان، چھوٹے بڑے سب لوگ جو فاقوں کے مارے ہوئے تھے لیکن ان کے ہوش ٹھکانے تھے میدانِ جنگ میں مطمئن نظر آتے تھے شہادت کے دن وہ کہتے تھے کہ ہمارے لئے یہ عید کا دن ہے۔ خدا سے دُعا مانگو کہ ہمارا آج کا شہید ہونا خوش نصیب ہو۔ اگر ہم میدانِ جنگ میں حضرتِ حسینؑ پر قربان جائیں تو ہمیں خوشی ہوگی۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

خواجہ الطاف حسین حالی

پیدائش سنہ 1837ء — وفات سنہ 1914ء

خودستائی

خودستائی کا مطلب ہے اپنی تعریف خود کرنا یعنی اپنے منہ میاں مٹھو بننا۔

(1) فرماتے ہیں "دنیا میں کون ایسا آدمی ہے جو خود اپنی تعریف نہیں کرتا۔ لیکن آپ اپنی تعریف کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

(2) وہ سادہ دل لوگ جو عقلمند نہیں اور عقل کے زیور سے خالی ہیں۔ وہ بھی کھلم کھلا اپنی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔

(3) جو ان سے ذرا تیز عقل ہیں۔ وہ بھی سو سو طریقوں سے اپنی خودستائی پردوں میں کرتے ہیں۔

(4) ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک ایسی بیوقوفی کی ہے کہ گھر میں ایک ہی کمبل تھا وہ بھی ایک مانگنے والے کو دے دیا۔

(5) دوسرا کہتا ہے کہ مانگنے والے کی جیب میں جب میں نے اسے بتایا کہ تیری جیب میں تو اتنا مال پڑا ہے تو وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

(6) کوئی اپنی کنجوسی کو عقلمندی کے پردے میں چھپاتا ہے اور بیوقوف بنکر اپنی سخاوت جتاتا ہے۔

(7) کئی لوگ اپنے وطن کے قوم پرست لوگوں کی تعریفیں کر کر کے اپنے آپ کو وطن پرستوں میں شمار کرتے ہیں۔

(8) کچھ لوگ اپنا انصاف ظاہر کرنے کے لئے اپنی قوم پر طرح طرح کے نقص نکالتے ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(9) کوئی کہتا ہے کہ لاکھ بار کوئی بُرا نہ مانے۔ ہم میں صاف بیانی کا بہت بڑا عیب ہے۔

(10) ایک کہتا ہے کہ خوشامد پرستی کا ایک اور ہی طریقہ ہے ہم آدمی کو بڑا کہہ کہہ کر پرچا لیتے ہیں۔

(11) کوئی ہنرمندی کا دھوکا دیکر اپنے عیبوں کو چھپاتا ہے۔

(12) کوئی اپنی تعریفیں خاموشی سے سُن رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو دُرست اور بجا ہے۔

(13) کوئی کہتا ہے کہ آپ کا یہ حسنِ ظن ہے کہ میرے جیسے خاکسار کو آپ نے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔

(14) کئی لوگ اپنی تعریفیں سُن سُن کر خوش ہوتے ہیں اور صابر بھی ہیں لیکن دل میں چاہتے ہیں کہ میری اور زیادہ تعریف ہو۔

(15) زید کہتا ہے کہ عمرو بہت سادہ طبیعت کا آدمی ہے وہ سب کو اچھا سمجھتا ہے خواہ وہ اچھا یا بُرا ہو۔

(16) عمرو کہتا ہے کہ زید کس قدر عیب بین ہے کہ کوئی اچھا ہو یا بُرا اُس کی زبان سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

(17) کوئی ایک کا عیب بیان کرکے اور کوئی دوسرے کا عیب بیان کرکے ہر ایک اپنی اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے۔

(18) اُمید ہے کہ دُنیا میں کبھی کسی کی پیٹھ کے پیچھے بُرائی نہ کی جاتی۔ اگر یہ انسان پُتلا خودستانہ ہوتا یعنی اپنی تعریف خود آپ نہ کرتا۔

(19-20) [illegible] فرماتے ہیں ایک صاحب آپ جو دُنیا کے لوگوں کی [illegible] شاید

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

آپ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر آدمی اپنے عیبوں کو چاہے لاکھ پردوں میں چھپانے کی کوشش کرے لیکن اپنے عیب اپنی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔

(۲۱) مختصر بات یہ ہے کہ ہر ایک آدمی چاہے وہ عقلمند ہو چاہے بیوقوف ہو بے چارا اپنی تعریف خود کرنے کی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔

اکبر حسین اکبر الہ آبادی

پیدائش 1846ء وفات 1921ء

آزاد اور حالی کے بعد جدید اردو نظم میں سب سے پہلا نام اکبر الہ آبادی کا آتا ہے انہوں نے ایک نیا رنگ پیدا کیا۔ اور ایک نئی راہ نکالی۔ اکبر بڑے پاکیزہ طبیعت، صاف دل اور محبت پسند آدمی تھے۔ شاعری کا شوق اُن کی فطرت میں ودیعت تھا۔ انہوں نے بڑے شوق و ریاض سے اس شوق کو نکھارا تھا اور اس کی تربیت کی تھی۔ انہوں نے بھی شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ اکبؔر کی غزلیات فنی چابکدستی اور شعری لطافت کا حسین مرقع ہیں لیکن اُن کی لازوال شہرت کا دارومدار اُن کے طنز و مزاح کے کلام پر ہے۔

اکبر کا طنزیہ کلام کیا اعتبارِ فکر اور کیا اعتبارِ فن گہرے مطالعہ کا مستحق ہے۔ اکبؔر کی حقیقی حیثیت ایک فنکار کی ہے وہ بڑے ذہین، تیز نظر، چست طبیعت اور شگفتہ مزاج صاحب فن تھے۔ اکبر کا شعری طنز مغرب پسندوں کے خلاف سب سے زیادہ کارگر حربہ سمجھا گیا۔ اسے زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہنسی ہنسی میں اکبؔر نے مغربی تہذیب اور نئی اصلاح کی تحریک کو مایۂ تمسخر بنا کر رکھ دیا۔ اکبؔر کی ظرافت زبان اور خیال دونوں کے عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ اکبر کو حکیم، مصلح اور فلسفی کے بلند آہنگ القاب سے یاد کیا جاتا ہے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مغرب کے بڑھتے ہوئے تہذیبی سیل نے مشرقیت کو ٹھیس لگائی۔ درد، کرب، جذباتی تخیل کی پُر پیچ راہوں سے گزر کر قہقہوں کے روپ میں ڈھل گیا۔ اکبر کا فن ایک اونچے معیار کی اُپج اور اجتہادی شان رکھتا ہے۔ انہوں نے اکبری زبان و بیان کا ایک نیا آئین بنا دیا۔

فرضی لطیفہ

(1) اکبر فرماتے ہیں مسلمانوں کی خوشحالی ہو سکے مجھے اس کی اُمید نہیں مسلمانوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

(2) فرماتے ہیں مسلمان چاہتے ہیں کہ اُن کا مقصد یا کام خود بخود حل ہو جائے۔ لیکن وہ کوشش یا محنت کر کے اُس کام کو کرنے کے عادی نہیں ہیں۔

(3) فرماتے ہیں میں آپ کو ایک فرضی مزاحیہ کہانی سنانا چاہتا ہوں جس کو میں نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر خوبصورتی سے لکھا ہے اور کاغذ کی زیبائش بنایا ہے۔

(4) فرماتے ہیں ایک دفعہ لیلےٰ کی ماں نے مجنوں سے یہ کہا کہ اے بیٹا! اگر تم ایم۔اے پاس کر لے تو۔ . . . .

(5) میں فوراً ہی یعنی اسی وقت لیلےٰ کی شادی تجھ سے کر دوں۔ اور بغیر کسی دقت یا رکاوٹ کے تیری ساس بن جاؤں۔

(6) فرماتے ہیں مجنوں نے جواب دیا آپ نے یہ اچھی بات کہی ہے کہاں عاشق کا درجہ اور کہاں کالج کی بکواس۔ یعنی ان میں کوئی میل نہیں۔

(7) کہنے لگے کہاں یہ قدرتی دل کا جوش و جذبہ اور کہاں یہ ٹھونسی گئی چیزوں کا احساس ہوتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(8) پھر کہا۔ اے بڑی بی! تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟ یہ انہونی بات کیسے ہو سکتی ہے کہیں ہرن پر گھاس لادی جاتی ہے؟

(9) کہنے لگے کہ آپ نے میری یہ اچھی عزت کی ہے۔ مجھے آپ نے کیا ہر چرند اس یعنی ہر ایک کا غلام سمجھ لیا ہے۔

(10) فرماتے ہیں میں اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہوں لیکن مجھے دماغ کی سوجن منظور نہیں۔

(11) کہنے لگے اگر لیلے سے شادی کی یہی شرط ہے تو میں اداسی مایوسی اور افسوس کے ساتھ اپنا استعفےٰ دیتا ہوں۔

علامہ ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال

پیدائش 1876ء — وفات 1938ء

اقبال ایک عظیم المرتبت شاعر تھے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی پھر لاہور میں ایم۔اے کا امتحان اعزاز سے پاس کیا۔ اس کے بعد پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری کیمبرج سے حاصل کی اور بیرسٹری کا امتحان میونخ یونیورسٹی سے پاس کیا۔

اردو کو بین الاقوامی شہرت دینے والوں میں اقبال کا نام سرفہرست ہے۔ وہ ہمارے دور کے ایک زبردست اور گرانمایہ فلاسفر اور شاعر تھے۔ اقبال کے پیغام میں خودی کو خاص مقام حاصل ہے۔ آپ کا یقین ہے کہ جوں جوں انسان کی خودی مضبوط ہو جاتی ہے وہ خدا کے قریب پہنچتا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا کے ارادے اور انسان کے ارادے میں چنداں فرق نہیں رہتا۔ خودی سے متعلق فرماتے ہیں۔ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اقبال سرمایہ پرستی کے مخالف تھے اور ہمیشہ ملوکیت اور خودغرضی کی مذمت کرتے رہے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نادار، مفلس، مزدوروں اور کسانوں کے لئے اُن کے دِل میں درد اور تڑپ تھی۔

اُٹھو میری دُنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخِ امراء کے درو دیوار ہلا دو

بالِ جبریئل اور ضربِ کلیم اقبال کے شاہکار ہیں۔

قومی گیت

یہ نظم اقبال نے اُس زمانہ میں لکھی جب اُن پر وطن پروری کا رنگ غالب تھا۔ اس نظم میں اقبال نے اپنے وطن کی عظمت کا گیت گایا ہے اور اپنے وطن ہندوستان کی تعریف کی ہے۔

پہلا بند:۔ اقبال فرماتے ہیں جس سرزمین ہند میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے لوگوں کو کا پیغام سُنایا، گورو نانک دیوجی نے جس باغ میں خدا کے ایک ہونے کا گیت سنایا۔ تاتار سے آئے ہوئے لوگوں نے جس کو اپنا وطن سمجھ کر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ حجاز کے رہنے والے لوگ وہاں سے چل کر آئے اور ہندوستان میں آبسے۔ میں بھی اُسی ملک کا رہنے والا ہوں اور میرا بھی وہی وطن ہے۔

دوسرا بند:۔ جس وقت یونانی ہندوستان میں آئے تو اس ملک کی خوبصورتی کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ سارے جہان نے ہندوستان سے علم و ہنر سیکھا۔ (باہر کے ملکوں کے لوگ یہاں کی مشہور یونیورسٹیوں ٹیکسلا اور نالندہ میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے) ہندوستان کی مٹی میں خدا نے سونے کی سی تاثیر بخشی تھی۔ یہاں کی زمین سونا اگلتی تھی اسی لئے ہندوستان کو "سونے کی چڑیا" کہا جاتا تھا۔ ترک لوگ ہندوستان سے ہیرے اور جواہرات لے جاتے تھے۔ میرا وطن ہندوستان ہے اور میں اسی وطن ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔

تیسرا بند:۔ فرماتے ہیں کہ جو ستارے (لوگ) فارس کے آسمان سے ٹوٹے تھے۔ یعنی جو لوگ فارس سے چل کر آئے تھے۔ وہی لوگ ہندوستان کے آسمان پر کہکشاں بن کر چمکے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

یعنی آباد ہوئے جس ہندوستان سے دنیا والوں نے خدا کے ایک ہونے کا گیت سنا تھا اور میر عرب کو جس ملک سے ٹھنڈی ہوا ملی تھی وہی ہندوستان میرا ملک ہے۔ اور میں اسی وطن کا باشندہ ہوں۔

چوتھا بند:۔ یہاں کے لوگ حضرت کلیم جیسے ہیں اور یہاں کے پہاڑ کوہ سینا جیسے ہیں۔ حضرت نوحؑ کی کشتی یہاں آکر ٹھہری تھی جس ملک کی بلندی آسمان کی چھت کی سیڑھی ہے۔ یعنی کوہ ہمالیہ پہاڑ کی بلندی دنیا بھر کے پہاڑوں سے بلند ہے۔ میرا وطن وہی ہے یعنی میرا ملک ہندوستان ہے اور میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔

پنڈت برج نرائن چکبست

پیدائش ۱۸۸۲ء

وفات ۱۹۲۶ء

تحریک جدید کے مشہور لیڈر، روشِ تازہ کے صحیح رہنما۔ زمانہ حال کی شاعری کے رکن رکین اور روشِ قدیم و جدید کے جامع تھے۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں کیننگ کالج سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۰۸ء میں قانون کی ڈگری لی اور لکھنؤ ہی میں وکالت شروع کر دی۔

چکبست کو شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نو برس کی عمر میں غزل کہی تھی۔ شروع میں معمولی غزل کہتے تھے مگر کچھ عرصہ بعد قومی، سیاسی، سوشل اور نیچرل نظموں پر آ گئے جن میں انھوں نے کمال حاصل کیا۔ مدرس میں لکھنے کا شوق انہیں بہت تھا۔ چکبست کا نقطۂ نظر بہت وسیع تھا۔

بندش الفاظ کے ساتھ مناسب ہندی الفاظ بھی موقعہ موقعہ سے خوب صرف کرتے تھے اور جدید رنگ کے مضامین اور خیالات کو صاف، سادہ اور سلیس طرز میں کہنے پر قدرت رکھتے تھے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

شاعری میں یہ اصول مدنظر رہتا ہے کہ جو مضمون باندھا جائے وہ محض ایک حالت کا اشارہ کرے۔ ترکیب الفاظ ایسی ہو کہ اُس حالت کی نسبت مختلف نقشے پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے پھر جائیں۔ بندشِ الفاظ پر بہت زور دیتے تھے۔ گویا آتش کا یہ شعر اُن کے پیشِ نظر تھا۔

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

چکبست نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں کہی۔ لیکن چکبست کی مرتبہ گوئی ادبی حیثیت سے بڑے معرکے کی چیز ہے۔ انہوں نے اپنی غزلوں اور نظموں میں وطن پرستی، سچی انسانی محبت اور طبیعت کی حکیمانہ شان کو مدنظر رکھا ہے۔ اُن کی نظمیں سیاست، اصلاحِ معاشرت، مذہبی واقعات مناظرِ قدرت غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبنی ہیں۔

خاکِ ہند

اس نظم میں چکبست نے وطن کی عظمت کا راگ گایا ہے۔ ہمالیہ جیسے بلند پہاڑوں، گنگا جیسے متبرک دریاؤں، اکبر جیسے عادل اور منصف بادشاہوں، مہاتما گوتم اور سرمد جیسے مہاپرشوں، رانا جیسے شور بیروں، کشمیر جیسی جنت نشان وادی کا بیان کیا ہے۔ یہ نظم مسدس میں ہے۔ اس قومی نظم کے چھ بند ہیں۔ ہر بند سے وطنیت ٹپکتی ہے۔

پہلا بند: فرماتے ہیں اے خاک ہند! تیری بزرگی، بڑائی اور عظمت کے بیان کرنے میں کوئی شک نہیں۔ تیری سرزمین پر قدرت کی بخشش کے دریا بہتے ہیں۔ تیرے ماتھے سے ابتدائی حسن کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ تیری خوبصورتی، تیری شان وشوکت ہر بات سے ظاہر ہے۔ ہر روز صبح کے وقت چمکدار سورج اپنی کرنوں سے کوہ ہمالیہ کی چوٹی کو گوندھتا ہے مراد سورج کی کرنیں سب سے پہلے ہمالیہ کی چوٹی پر پڑتی ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

دوسرا بند:- فرماتے ہیں ہندوستان کے پہاڑوں سے ایسے ایسے چشمے پھوٹتے ہیں اور ایسے ایسے دریا نکلتے ہیں جن سے چین اور عرب جیسے بڑے بڑے ملک سیراب ہوتے ہیں۔

جس وقت تمام دنیا کے لوگ جہالت اور بے علمی کے جال میں پھنسے ہوئے تھے اور سب ملکوں پر دیوانگی کے بادل چھائے ہوئے تھے یعنی تمام دنیا کے لوگ اَن پڑھ تھے۔

اُس وقت تمام دنیا کے لئے ہندوستان کی سرزمین روشنی کا گہوارہ بنی ہوئی تھی یعنی ٹیکسلا اور نالندہ جیسی بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہندوستان میں قائم تھیں۔ اُس وقت یونان میں ابھی علم و ادب کا نام و نشان بھی نہ تھا کہ ہمارے ملک میں عقل و حکمت اور علم و ادب کا سورج روشن تھا۔

تیسرا بند:- فرماتے ہیں اس پرانے عبادت خانہ یعنی ہندوستان میں گوتم بدھ جیسے مہاتما نے اپنے مذہب کا پرچار کیا۔ شیخ سرمد جیسے فقیروں نے اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا۔ شیخ سرمد صرف ایک صوفی منش ہی نہ تھے بلکہ وہ ایک بلند پایہ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے اور علم فلسفہ میں بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ سنسکرت کے بہت بڑے عالم تھے فارسی دان بھی تھے۔ یہاں اکبر جیسے بادشاہ ہوئے جنہوں نے ہندو مسلم اتحاد کا اور آپسی محبت کا پیغام دیا۔ مہارانا پرتاپ نے اپنے اس وطن کی خاطر سختیاں برداشت کیں۔ اسی سرزمین ہندوستان میں بڑے بڑے شورمیروں کی ہڈیاں خاک میں ملی ہوئی ہیں۔ اور کھنڈرات کے نشان باقی ہیں۔ ع کھنڈر بتا رہے ہیں کہ عمارت عجیب تھی

چوتھا بند:- فرماتے ہیں ہندوستان کی دیواریں اور دروازے اُن کی یاد دلاتے ہیں اُن شورمیروں کی بہادری کے قصے آج تک ہمارے جسموں کی رگ رگ میں گونج رہے ہیں۔ مندروں میں سنکھ کی آوازیں اور مسجدوں میں بانگ دینے کی کیفیتیں ہمارے کانوں میں بہشت کا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ساسماں پیدا کردیتی ہیں۔ ہندو مسلم ایک قوم ہونے کا جذبہ پیدا کرتی ہیں اور اتفاق کا ثبوت دیتی ہیں۔ آج تک کشمیر کو جنت بے نظیر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ واقعی کشمیر جنت بے نظیر ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

اس کے علاوہ دریائے گنگا اُسی شان و شوکت سے بہہ رہا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر علامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎ اے آب رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اُترا تیرے کنارے جب کارواں ہمارا

پانچواں بند:۔ فرماتے ہیں ہندوستان کے پھولوں اور پھلوں میں پہلے کی سی تازگی اور سرسبزی ہے۔ اور جنگلوں میں موروں کا ناچ بدستور اسی طرح کل ہے۔ بادلوں میں بجلی کی کڑک اُسی طرح ہے لیکن اُوپر بیان کی گئی تمام صفات کے باوجود دل کے حوصلوں میں پستی سی آگئی ہے۔ اگرچہ انجمن وہی ہے لیکن اُس انجمن کی شمع کی روشنی مدھم ہو گئی ہے۔ اگر خاکِ وطن وہی ہے لیکن حبِ وطنی ختم ہو گئی ہے۔

چھٹا بند:۔ فرماتے ہیں اے وطن کی محبت کی آواز! وطن کی یاد جو میرے دل سے نکل چکی ہے، وہی بگل پھر بجادے تاکہ وہ بھولی ہوئی کہانی نئے سرے سے پھر میرے کانوں میں گونج اُٹھے، مُردہ دِلوں میں پھر تازگی پیدا کرنے اور وہ اُداسی اور مایوسی جو وطن کی محبت کی طرف سے پیدا ہو چکی ہے، پھر قومی جوش اور جذبہ کی آگ بھڑکا دے تاکہ وطن کی محبت روشنی بن کر ہر محبِ وطن کے دل میں پیدا ہو جائے۔ سر میں مستی اور دل میں سرور بن کر ہر آدمی کو جگا دے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اسرار الحق مجاز

پیدائش ۱۹۰۹ء　　　　وفات 1955ء

مجاز اُس ادبی گروپ کے ممتاز فرد ہیں جنہوں نے 1935ء میں ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر اردو ادب میں نئے انداز نغمہ سرائی کے سلسلے کا آغاز کیا۔ مجاز کی طبیعت میں اعلیٰ شعری کا جوہر موجود ہے۔ اُن کے یہاں زندگی کی حوصلہ مندی ہے۔ نگاہ کی مستی ہے۔ قدم کے فاتحانہ انداز ہیں وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں۔ طبیعت کی سرشاری کے ساتھ کہتے ہیں اسی لئے اُن کا شاعرانہ فن تبلیغ اور پروپیگنڈہ سے مجروح نہیں ہونے پایا۔ مجاز نے نظمیں بھی کہی ہیں اور غزلیں بھی۔ اُن کے یہاں فن کا وہ رچاؤ۔ زبان کی وہ چاشنی فکر کی وہ گھلاوٹ اور جذبہ کی وہ سرشاری موجود ہے جو غزل کو نگاہِ خاص کی چیز بنا دیتی ہے۔ مجاز کی نظموں میں ہمت و مردانگی کا ایک خوشگوار آہنگ ہے۔

ابتدائی تعلیم بارہ بنکی میں حاصل کی۔ 1926ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے بی۔اے پاس کیا۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو دہلی میں ملازمت کی۔ 1925ء میں شراب نوشی کی وجہ سے پٹھوں کی بیماری کا حملہ ہوا۔ شراب نوشی کی کثرت نے صحت پر بہت برا اثر ڈالا۔ بمبئی محکمہ اطلاعات میں بھی ملازم رہے مگر آزاد اور بے قرار طبیعت نے کہیں ٹکنے نہیں دیا۔ ساری زندگی ناکامیوں اور پریشانیوں سے دوچار رہے جس کی وجہ سے شراب نوشی میں اضافہ ہو گیا۔ آخر دسمبر 1955ء میں شدت شراب نوشی کی وجہ سے راہی ملک عدم ہوئے۔

مجاز فطرتاً شاعر تھے۔ غزلیں اور نظمیں بہت اچھی کہتے تھے۔ اُن کی غزلوں میں روانی، برجستگی، کیف اور پختگی ہے۔ نظموں میں دلکشی، دل نشینی اور دلربائی ہے۔ مجاز تمام عمر اپنی شاعری کے ذریعے سے نوجوانوں کو فرسودہ نظام کے بدل دینے کی دعوت دیتے رہے۔ رومانی اور محاکاتی شاعری میں مجاز کی شاعری کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

رات اور ریل

اس نظم میں مجاز نے رات کے وقت ریل کے چلنے کا منظر دکھایا ہے کہ وہ کس طرح جنگلوں، پہاڑوں، میدانوں اور وادیوں کو چیرتی ہوئی دیوانہ وار طوفانی گرج کے ساتھ شیرنی کی طرح بپھرتی ہوئی اپنے سفر کو طے کرتی جاتی ہے۔

(1) فرماتے ہیں رات کے وقت ریل گاڑی اسٹیشن سے لہراتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ آدھی رات کو خاموشی کے ساتھ زیرِ لب گاتی ہوئی جاتی ہے۔

(2) وہ ڈگمگاتی، جھومتی، سیٹی بجاتی، کھیلتی ہوئی، میدانوں اور پہاڑوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔

(3) ہوا کے تیز جھونکوں میں چھم چھم کا دلکش راگ اس طرح گاتی ہوئی اس طرح دوڑی جا رہی ہے جس طرح آندھی میں مینہ برسنے کی آواز آتی ہے۔

(4) وہ ایک ایک سُر میں ہزاروں گیت جیسے لہروں کی آواز جل پریوں کے گیت وغیرہ گاتی جا رہی ہے۔

(5) وہ مستی میں گھنگھروؤں کے تال کی مانند گاتی ہوئی ٹھوکریں کھاتی، لچکتی، گنگناتی اور جھومتی ہوئی جا رہی ہے۔

(6) ہر موڑ پر سو سو بل پھیر کھاتی ہوئی دلہن کی طرح ناز و نخرے میں شرماتی ہوئی جا رہی ہے۔

(7) رات کے اندھیرے میں ہلچل کرتی، کانپتی اور پٹڑیوں پر پارہ بکھیرتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔

(8) ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آدھی رات کو ایک شاہی برات نکلی ہو، جو خوشی کے باجوں کی آواز سے مستی میں چلی آ [illegible]

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(9) ہوا میں جگہ بجگہ چنگاریاں بکھیرتی ہوئی اس طرح چلی آ رہی ہے جیسے ہوا کی موجوں کے بیچ پھول برس رہے ہوں۔

(10) ہر ایک منزل پر لگاتار تیز سے تیز ہوتی ہوئی پھر آہستہ آہستہ اپنی اصلی شکل دکھا رہی ہو

(11) جس وقت پہاڑ کی بلندی پر چڑھتی ہے تو بے قابو ہو کر مست ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

(12) جب پہاڑ کی طرف سے اُتر کر میدان میں داخل ہوتی ہے تو ایسے دکھائی دیتا ہے کہ جیسے ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر نیچے کی طرف آ رہا ہو۔

(13) جب میدان میں آتی ہے تو ایک بگولے کی طرح دکھائی دیتی ہے اور جنگلوں میں سے گزرتی ہوئی آندھی جیسا زور کھاتی ہے۔

(14) جس وقت بل کھاتی ہوئی قیامت خیز آواز سے گزرتی ہے تو اُس وقت پرانے دیوتاؤں کا رعب داب، تیزی اور تندی یاد آجاتی ہے۔

(15) جب سبزہ زاروں میں سے ہو کر گزرتی ہے تو جوئے شیریں جیسے ناز و نخرے دکھاتی جاتی ہے اور جب میدانوں میں آتی ہے تو بادلوں کی مانند منڈلاتی آتی ہے۔

(16) پہاڑ پر سے گزرتی ہے تو آبشاروں کا سا نظارہ پیش کرتی ہے۔ بیابانوں سے گزرتی ہے تو طور کی روشنی کی طرح دکھائی دیتی ہے۔

(17) اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کی تلاش میں دیوانوں کی طرح ہوا میں اپنا سر دُھنتی ہوئی اور بال بکھراتی ہوئی چلی آتی ہے۔

(18) جب مستی کی حالت میں آتی ہے تو خدائی ساز بجاتی ہوئی آتی ہے اور جب غصے کی حالت میں ہو تو منہ سے آگ برساتی آتی ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(19) اپنے دل کی اندرونی آگ کو بھڑکاتی ہوئی رنگیتی، مڑتی، مچلتی، تلملاتی اور ہانپتی ہوئی چلی آتی ہے۔

(20) اپنے لگاتار تصور سے دُنیا والوں کے دلوں کو دھڑکاتی ہوئی اپنے آپ میں روٹھی ہوئی، بکھری اور بپھری ہوئی چلی آتی ہے۔

(21) جب کسی دریا پر سے گزرتی ہے تو اپنی طوفان انگیزی پر فخر کرتی ہوئی لگاتار کوندتی اور للکارتی ہوئی آتی ہے۔

(22) دریا کے اندر روشنی کا نظارہ دکھاتی ہوئی اور دریا کے کنارے کے ذرّوں کو چمکاتی ہوئی چلی آتی ہے۔

(23) جب کوئی سرنگ راستے میں آتی ہے تو یکدم اُس میں گھس کر چیخیں مارتی ہوئی چنگھاڑتی اور دندناتی ہوئی نکل جاتی ہے۔

(24) ایک مجرم کی طرح ڈرتی ہوئی، کانپتی ہوئی اور سمٹی ہوئی نیز ایک غریب کی طرح سردی میں ٹھٹھری ہوئی کانپتی چلی جاتی ہے۔

(25) دلوں پر سے زمانہ ماضی کے نشان مٹاتی ہوئی موجودہ اور آنے والے زمانے کے دلکش خواب دکھلاتی ہوئی جا رہی ہے۔

(26) بے حس و حرکت چٹانوں پر نفرت کی نظر سے دیکھتی ہوئی پہاڑوں کی ہنسی اُڑاتی ہوئی اور آسمان کو آنکھیں دکھلاتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔

(27) رات کے اندھیروں کی دھجیاں اُڑاتی اور اندھیرے میں محلوں پر تیر برساتی ہوئی جا رہی ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(28) اگر اُس کے آگے کوئی چیز آجائے تو اُس کو پیس کر زندگی کی ترقی کے راز بتلاتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

(29) ایک باغی فوج کی طرح جھنڈے کھڑے ہوئے اور ایک طوفانی گرج کے ساتھ لہراتی ہوئی چلی جارہی ہے۔

(30) اُس کی ایک ایک حرکت سے بغاوت کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور انسان کی بڑائی کے گیت گاتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

(31) ہر قدم پر توپ کی آواز کی طرح گرجتی ہوئی اور گولیوں کی بوچھاڑ کی طرح سنسناتی ہوئی چلی جارہی ہے۔

(32) ایسے چلی جارہی ہے جیسے ہوا میں سینکڑوں جنگی ڈھول بج رہے ہوں اور جیسے بگل کی جان کو خوش کرنے والی آواز آرہی ہو۔

(33) مختصر یہ کہ وہ بغیر ڈر خطرے کے اُڑتی ہوئی چلی جارہی ہے اور شاعر کے آتشیں دِل کا خون اُبالتی ہوئی چلی جارہی ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

فرہنگ اوراقِ ادب حصّہ نظم

غزلیات صفحہ 5 تا صفحہ 23

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
غزلیاتِ میر صفحہ 5		سخن	بات	خلیل	حضرت ابراہیمؑ
ہستی	زندگی	تا لب	ہونٹوں پر	فرعون	ظالم بادشاہ کا نام
حباب	بلبلا	(صفحہ نمبر 6)		رودِ نیل	نیل مصر کا دریا
نمائش	دکھاوا	حُسن	خوبصورتی	ناخدائی	ملاحی
سراب	دھوکا	عالم فریب	دُنیا کو دھوکا دینے والا	حقا	سچ تو یہ ہے
لب	ہونٹ			کفیل	ذمہ دار ضامن
اضطراب	بے قراری	پیری	بڑھاپا	بخیل	کنجوس
نیم باز	آدھی کھلی ہوئی	غزلیاتِ آتش صفحہ نمبر (8)		کدورتیں	رنجشیں
اشک	آنسو	عاجز نواز	غریبوں کو پالنے والا	نفاق	دشمنی
مونس	ساتھی	رنجور	دُکھی	گبر و مسلماں	ہندو مسلمان
ہجراں	جُدائی	اُنیس	ساتھی	برگ	پتے
گریہ	رونا	ہمدم	ساتھی	خزاں رسیدہ	خزاں دیکھے
بے سبب	بلا وجہ	علیل	بیمار	گلستاں	باغ
ڈھب	طریقہ	آتش	آگ	بخار	بھڑاس غصہ
ہمدم	ساتھی	نمرود	ظالم بادشاہ کا نام	معرکہ	جنگ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی
جنوں	پاگل پن
آبلے	چھالے
خار	کانٹا
مغیلاں	کیکر
گردش	اشارہ
عمل	کام
گردشِ دوراں	زمانے کی گردش
دہن	مُنہ
گماں	خیال
کلام	باتیں
صفحہ نمبر (۹)	
گُل کھلانا	عجیب کام کرنا
گور	قبر
اندوہ	غم
حرماں	بدنصیبی
نعمت	برکت
سخن	کلام
سروِ جہاں	نوجوان

الفاظ	معانی
غزلیاتِ غالب صفحہ نمبر (۱۱)	
بر آنا	پورا ہونا
معیّن	مقرر
مگر	شاید
ناداں	بیوقوف
کاش	افسوس
دُعا	مطلب
درویش	فقیر
صدا	آواز
نثار	قربان
وفا	محبت
صفحہ نمبر (۱۳)	
ابنِ مریم	مریم کا بیٹا یعنی حضرت عیسیٰؑ
جنوں	پاگل پن
خطا	غلطی
حاجتمند	ضرورتمند
حاجت	ضرورت
روا کرنا	پوری کرنا

الفاظ	معانی
توقع	اُمید، بھروسہ
گِلا	شکوہ، شکایت
صفحہ نمبر (14)	
غزلیاتِ حالی	
ملّت	میل جول
مُبادا	کہیں ایسا نہ ہو
نفرت	دشمنی
رام	مطیع، قبضہ
جہاں	دُنیا
الاپیں	گائیں
دھرپت	ایک ہندی راگ
کج رائی	ٹیڑھا پن
جچتے نہیں	بھاتے نہیں
نقش	چھاپ
رعنائی	خوبصورتی
چاہِ یوسف	وہ کنواں جس میں حضرت یوسفؑ کو گرایا گیا
صدا	آواز
جاں نثاری	جان دینا

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی
فدائی	قربان ہونیوالا
تماشائی	تماشہ دیکھنے والا
ادنیٰ	چھوٹا
اعلیٰ	بڑا
خاکساری	عاجزی، حلیمی
واقعات دہر	زمانے کے حالات
گویائی	بولنے کی طاقت
سحر	جادو
منور	روشن
اُجالا	روشنی
مجال	طاقت
لطفِ یار	محبوب کی مہربانی
دونا	دوگنا
محوِ تغافل	لاپرواہ ہونا
رُوا	جائز
فنا	موت
بندۂ خوباں	محبوب کا غلام
بے برگ و نوا	بے آواز

الفاظ	معانی
برہم	پریشان
نکہت	خوشبو
نوازش	مہربانی
مجبورِ حیا	شرم کرنے پر مجبور

(صفحہ نمبر 17)

غزلیاتِ حسرت

الفاظ	معانی
خود آرا	سجانا
خود بین	مغرور

(صفحہ نمبر 18)

الفاظ	معانی
بیتابیاں	بے قراریاں
شکیبا	صابر
حشر	قیامت

(صفحہ نمبر 21)

غزلیاتِ جگر

الفاظ	معانی
رونقِ حیات	زندگی کی رونق
کائنات	دُنیا
رائیگاں	ضائع
قیدِ ہستی	زندگی کی قید

الفاظ	معانی
نجات	چھٹکارا
التفات	مہربانی
سعی	کوشش

(صفحہ نمبر 22، 23)

الفاظ	معانی
برگ	پھول
خار	کانٹا
آشیاں	گھونسلا
بار	مرتبہ
زانوئے	شاگرد ہونا
شیفتہ	پریشان
فریفتہ	عاشق

(صفحہ نمبر 25)

مکافاتِ عمل

الفاظ	معانی
مکافات	بدلہ
عدالت	فیصلہ
کنا	ہونا
عدل پرستی	انصاف

(صفحہ نمبر 26)

الفاظ	معانی
آن	عزت
پھرت پھرت	چلنا پھرنا
شمشیر	تلوار

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی
سناں	خنجر
مظلوم	بے گناہ
ذبح کرنا	مارنا

مرثیہ انیس (صفحہ نمبر 27)

حضرت حسینؑ کی جنگ کے لئے رخصت

الفاظ	معانی
صفیں	قطاریں
علم	جھنڈے
شہ امامؑ	حضرت حسینؑ
اہل بیت	گھر والے
حرم	بیوی
بلکنا	رونا
نعلین	جوتا
کبود	زخمی
شکستہ حال	بری حالت
قول	وعدہ
نوحہ گر	روتی ہوئی
خاصان حق	خدا کے خاص بندے
فرقت	جدائی

(صفحہ نمبر 29)

الفاظ	معانی
تشنہ دہانی	پیاسے منہ
رفیقان	ساتھی
مصاحب	ساتھی
سعید	نیک

منظومات حالی صفحہ نمبر 31

(خود ستائی)

الفاظ	معانی
خود ستائی	خود پسندی
عنواں	قمیص
معرا	خالی
خرد	عقلمند
برملا	کھلم کھلا

(صفحہ نمبر 32)

الفاظ	معانی
حماقت	بیوقوفی
سائل	سوالی فقیر
منفعل	شرمندہ
زیرکی	عقلمندی
بخل	کنجوسی
تنقیص	برا بھلا
حسن ظن	اچھا خیال

(صفحہ نمبر 33)

الفاظ	معانی
قانع	صابر
غیبت	پیٹھ پیچھے برائی کرنا
القصہ	مختصر

(صفحہ نمبر 36)

منظومات اکبر۔ فرضی لطیفہ

الفاظ	معانی
یاس	ناامیدی
عاشق شاہد مقصود	مطلب کے معشوق کے عاشق
قرطاس	صفحہ
سعی	کوشش
لطیفہ	مزے کی کہانی
زیب	زیبائش
بلا دقت	بغیر مشکل کے
خدا حافظ	اللہ نگہبان

(صفحہ نمبر 37)

الفاظ	معانی
کجا	کہاں
فطرتی	قدرتی
قدر دانی	عزت افزائی
آماس	درد۔ بیماری

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی
(صفحہ نمبر 39)	
ڈاکٹر اقبال - قومی گیت	
پیغام حق	خدا کا پیغام
وحدت	خدا کے ایک ہونے کا پیغام
حجازی	عرب کے لوگ
دشت عرب	عرب کا جنگل
علم و ہنر	علم و فن
زرکا اثر	سونے کی چڑیا
(صفحہ نمبر 47)	
کلیم	حضرت موسیٰؑ
سفینا	بیڑا
رفعت	بلندی
بامِ فلک	آسمان کی چھت
زینا	سیڑھی
(صفحہ نمبر 48)	
برج نرائن چکبست، خاکِ ہند	
عظمت	بڑائی
فیض	بخشش

الفاظ	معانی
جبین	ماتھا
عیاں	ظاہر
اوج	بلندی
عزوشان	شانِ شوکت
پُرضیا	روشنی سے بھرپور
آبیاری	پانی دینا
وحشت	پاگل پن جہالت
ابر	بادل
طاری	چھایا ہوا
چشم و چراغ	روشن
تاباں	چمکنا
مہرِ دانش	عقل کا سورج
وادیٔ کہن	پرانی وادی
آبرو	عزت
معبدِ کہن	پرانی عبادت گاہ
(صفحہ نمبر 49)	
جامِ الفت	محبت کا پیالہ
سوربیر	بہادر

الفاظ	معانی
ناقوس	سنکھ
فردوس	جنت
گوش	کان
کیفیت	حالت
اذان	بانگ
جنت	بہشت، سورگ
شوکت	شان
رقص	ناچ
طاؤس	مور
صور	سنکھ
(صفحہ نمبر 50)	
شرارے	چنگاریاں
راکھ	خاک
حُبِ وطن	وطن کی محبت
نُور	روشنی
خمار	مستی
سُرور	خوشی

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

(صفحہ نمبر 58)

اسرار الحق مجاز

رات اور ریل

الفاظ	معانی
نیم شب	آدھی رات
خامشی	خاموشی
زیرِ لب	ہونٹوں کے نیچے
وادیٔ کہسار	پہاڑ اور میدان
چھم چھم	چلنے کی آواز
سرودِ	دل کش
دلنشین	راگ
ترنم	لے، سُر
زمزمے	راگ
سرخوشی	مستی
گھنگھرو	چھوٹی گھنٹی بجنے والی
تال	آواز

(صفحہ نمبر 59)

الفاظ	معانی
پیچ و خم	ہیر پھیر
سیماب	پارہ
شادیانے	خوشی کی گیت
وجد	مستی
منتشر	انتشار بکھرتی ہوئی
دم بدم	لگاتار
رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ
سینۂ کہسار	پہاڑ کا دل
بے اختیار	بے قابو
رفعتِ کہسار	پہاڑ کی بلندی
بگولہ	آندھی
جلال	رعب داب
قیامت خیزی	قیامت ڈھانا

(صفحہ نمبر 60)

الفاظ	معانی
مرغزاروں	سبزہ زاروں
جوئے شیریں	میٹھی ندی
خرام	مٹکنا
جھلک	نظارہ
بیاباں	جنگل
جستجو	تلاش
وجد	مستی
غیظ	غصہ
آتشِ پنہاں	اندرونی آگ
شورِ پیہم	لگاتار آواز
دلِ گیتی	دنیا کے دل
اترائی	گھمنڈ کرنا
ساحلوں	کناروں
سرنگوں	ٹنل

(صفحہ نمبر 61)

الفاظ	معانی
مجرم	جرم کرنے والا
مفلس	غریب
صفحۂ دل	دل کا صفحہ
نقوش	نشان
عہدِ ماضی	پرانا زمانہ
حقارت	نفرت
دھجیاں اڑانا	ٹکڑے ٹکڑے کرنا
قعرِ ظلمت	اندھیرے محل

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ارتقائے زندگی	زندگی کی ترقی	عظمت	انسانیت کا	(صفحہ نمبر 62)	
سرکش	باغی	انسانیت	بڑاپن۔	مختصر	الغرض
		دُہل	ڈھول		

اصناف ادب اردو

(ا) غزل۔ مرثیہ، مثنوی، قصیدہ، رباعی اور قطعہ

(ب) تشبیہ، طرفین تشبیہ (مشبہ، مشبہ بہ)
وجہ تشبیہ یا وجہ شبہ۔ غرض تشبیہ۔ حرف تشبیہ۔
استعارہ۔ طرفین استعارہ۔ استعارہ بالکنایہ
استعارہ بالتصریح۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

غزل

غزل سب سے زیادہ مقبول صنفِ سخن ہے۔ اس کی ابتدا ایران میں فارسی شاعری کے زیرِ اثر ہوئی اور اردو میں سب سے پہلے دکنی شاعروں نے غزلیں لکھیں۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں سے بات چیت کرنے کے ہیں لیکن اصطلاحِ عام میں اس سے مراد عشق و محبت کی باتوں سے ہے یعنی غزل میں وارداتِ قلبی اور جمیل احساسات کو نظم کیا جاتا ہے۔ ایک غزل میں کم سے کم پانچ اشعار ہوتے ہیں اور ہر شعر کا مطلب دوسرے سے جُدا ہوتا ہے۔ پہلے ہم ردیف و ہم قافیہ شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ دوسرے اسی طرح کے شعر کو حُسنِ مطلع کہتے ہیں غزل کے آخری شعر کو جس میں تخلص ہو مقطع کہتے ہیں۔

غزل میں تقریباً تمام شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے لیکن ہر شاعر غزل گو شاعر نہیں ہے۔ صرف وہ شعراء حضرات جنہوں نے اس صنفِ سخن کو سنوارا نکھارا اور ترقی دی ہے غزل گو شاعر کہلاتے ہیں۔

زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ غزل کے مواد میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ پہلے اس کا دامن بہت تنگ تھا لیکن اب بہت وسیع ہے اور اس میں ہر قسم کے خیالات سیاسی، سماجی، اخلاقی صوفیانہ وغیرہ نظم کئے جاتے ہیں۔ موجودہ غزل فارسی روایت پرستی سے ہٹ کر جدید تقاضوں کو پورا کر رہی ہے۔ اور آج بھی اردو شاعری میں مقبول ترین صنفِ سخن ہے۔ اس کی ہیئت میں بھی تبدیلی آئی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مطلع ہم ردیف و ہم قافیہ ہو یا غزل میں مطلع ضرور ہو۔ غیر مقفیٰ غزلیں بھی اب خوب کہی جا رہی ہیں۔ بحر، آہنگ اور مرکزی خیال کی پابندیوں سے بھی غزل کو آزاد

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

کرانے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں۔ ہندی غزل کے نام سے جو نئی چیز آج کل سننے میں آتی ہے وہ صرف آہنگ پر منحصر ہے۔ غرضیکہ جدید شاعر پچھلے دس سال سے غزل میں نئے تجربے کر رہے ہیں۔ اس سے بہتر نتائج نکلنے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ غزل میں جو چیز آج بھی کارفرما ہے۔ وہ ہیں شوق و حسرت، رنج و غم، درد و الم اور سوز و گداز سے بھرپور جذبات جو شاعر کی داخلی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں اور غزل کا لب و لہجہ دُرست کرتے ہیں۔

غزل کے مخصوص اور مشہور شاعروں میں میر تقی میرؔ، میر دردؔ، غالبؔ، مومنؔ، ذوقؔ، اقبالؔ، فانیؔ، حسرتؔ، اصغرؔ، جگرؔ، مجازؔ، جلالؔ، فراقؔ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

مثنوی

اس صنفِ سخن میں کسی قصّے کو مسلسل نظم کیا جاتا ہے۔ دیگر اصنافِ سخن کی طرح مثنوی بھی جنوبی ہند میں پیدا ہوئی اور پہلی مثنوی رسُولِ مقبول محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قطب شاہی دَور میں لکھی گئی۔ دوسری مثنوی حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں لکھی گئی۔ اِن مثنویوں کے علاوہ عشق و محبت کی داستانوں پر مبنی اور بھی بہت سی مثنویاں دکن میں لکھی گئیں۔ شمالی ہند میں مثنوی کا رواج ولی دکنی کی آمد کے بعد ہوا یہاں بھی کئی مشہور و معروف مثنویاں لکھی گئیں۔

مثنوی کا دامن بہت وسیع ہوتا ہے۔ اس میں محبت کی داستان بھی نظم کی جاتی ہے اور بادشاہوں یا امیروں کی تعریف و توصیف بھی۔ اپنے حالات بھی نظم کئے جاتے ہیں اور تاریخی واقعات بھی اس صنفِ سخن میں لکھے جاتے ہیں۔ مثنوی میں ایک شعر کا دوسرے شعر سے اس طرح تعلق رہتا ہے کہ کہیں بھی قصہ کا تسلسل ختم نہیں ہوتا اور ہر شعر کا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation, Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ردیف و قافیہ دوسرے شعر سے جدا ہوتا ہے۔ مثنویوں میں عام طور سے فرضی قصے نظم کئے گئے ہیں لیکن اس طرح کہ قاری کو قصے کی صداقت پر ذرا بھی شک نہیں ہوتا ہے۔ مثنوی کے اجزائے ترکیبی میں پہلا شعر توحید و مناجات کا ہوتا ہے جس میں شاعر خداوند تعالیٰ کی تعریف و توصیف کا بیان کرتا ہے۔ دوسرا جز مدح حاکم کا ہوتا ہے جس میں اہلِ قصہ کو متعارف کرایا جاتا ہے۔

تیسرا حصہ شعر و سخن کی تعریف کا ہوتا ہے جس میں عام طور سے شاعر اپنی تعریف کرتا ہے۔ چوتھے حصہ میں شاعر مثنوی کی تعریف کا سبب بیان کرتا ہے اور قصہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتا ہے۔ پانچویں حصہ میں اصل قصہ شروع کیا جاتا ہے۔ جزئیات اور تفصیل کے اعتبار سے مثنوی کو سب سے زیادہ مفید اور بہترین صنف تسلیم کیا گیا ہے۔

مثنوی کے مشہور شاعروں میں میر حسن، میر تقی میر، پنڈت دیا شنکر نسیم، مومن، حالی، اقبال، حفیظ جالندھری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن مثنوی نگاروں میں جو مقبولیت میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" اور پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی گلزارِ نسیم کو حاصل ہے وہ اردو کی کسی اور مثنوی کو حاصل نہیں ہو سکی

مرثیہ

مرثیہ اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جائیں اور اپنے رنج و غم کا اظہار کیا جائے۔ اس صنف سخن کا آغاز بھی دکن میں ہوا۔ پہلے مرثیہ گو شاعر محمد قلی قطب شاہ تھے۔ شروع میں مرثیہ واقعۂ کربلا سے مخصوص تھا لیکن بعد میں شخصی مرثیے بھی لکھے جانے لگے۔ ابتدا میں مرثیے کی مخصوص ہیئت نہیں تھی۔ یہ ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس اور مثنوی کی ہیئت میں لکھے جاتے تھے لیکن بعد میں اس صنف کو باقاعدہ

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

مسدس کی تشکل دے دی۔

مرثیہ کے اجزائے ترکیبی میں پہلا جز چہرہ ہے جس میں شاعر صبح کا منظر، دنیا کی بے ثباتی یا اپنی شاعری کی تعریف کے مضامین باندھتا ہے۔ یہ حصہ مرثیے کی تمہید بھی کہلاتا ہے۔ دوسرا جز سراپا ہے۔ اس میں شاعر مرثیہ کے علاوہ اُس کے خدوخال لباس اور اخلاق وعادات کا بیان کرتا ہے۔ تیسرا جز رخصت ہے اس میں ہیرو میدان جنگ اور اُس کے ساتھ ساز وسامان اور گھوڑے کی تعریف کرتا ہے۔ چوتھا جز آمد ہے جس میں ہیرو کا گھوڑے پر سوار ہو کر شان وشوکت کے ساتھ رزم گاہ میں آنا۔ آمد کے سلسلے میں ہیرو کے گھوڑے کی تعریف بھی لکھی جاتی ہے۔ پانچواں جز رجز ہے جس میں ہیرو اپنے حسب ونسب کے اوصاف بیان کرتا ہے یا اپنی شجاعت اور کارناموں کو دُہراتا ہے۔ چھٹا جز جنگ ہے جس میں شاعر میدان جنگ کا نقشہ کھینچتا ہے اور جنگ کے طریقوں پر روشنی ڈالتا ہے اسی جز میں شاعر ہیرو کی جنگی مہارت کا بھی بیان کرتا ہے۔ ساتواں جز شہادت ہے جس میں شاعر دشمن کے ہاتھوں حق کا خون ہوتا ہوا دکھاتا ہے۔ آٹھواں جز بین ہے جس میں شاعر ہیرو کے عزیز واقارب کے ماتم کو نظم کرتا ہے۔

مرثیہ گوئی کی اجتماعی تعریف۔ عرب میں شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی۔ کیونکہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوتی ہے۔ مرثیے عین اس حالت میں لکھے جاتے ہیں جبکہ شاعر کا دل درد وغم سے لبریز ہوتا ہے۔

اردو میں مرثیہ کی ابتدا کس نے کی یہ معلوم نہیں لیکن اس قدر یقینی ہے کہ سودا

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation Chandigarh

اور میر سے پہلے مرثیہ کا رواج ہو چکا تھا۔ میر انیس کے اس مصرعہ سے ثابت ہوتا

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہے کہ میر ضاحک نے جو میر انیس کے پر دادا تھے اور اُن کے بیٹے میر حسن نے بھی مرثیہ لکھا ہے۔ ع پانچویں پُشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

شمالی ہند میں مرثیہ کے تدریجی ارتقاء میں سودا کے بعد ضمیر کا نام قابلِ ذکر ہے آپ کے بعد میر خلیق نے مرثیہ کو نیا انداز دیا۔ بعد ازاں میر انیس اور مرزا دبیر کے نام ہیں جنہوں نے اس صنف کا ڈنکا اس انداز سے پیٹا کہ شعر و ادب میں آج بھی اُس کا شور ہے۔ بات یہ ہے کہ میر انیس نے ہی اس صنفِ سخن کو آسمانِ عروج پر پہنچایا۔ اور باقاعدہ فن کی حیثیت سے اس میں منظر نگاری، جزئیات نگاری اور بہترین جذبات نگاری کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں۔ شخصی مرثیوں کی تعداد اردو میں بہت کم ہے ان مرثیوں میں غالب کا مرثیہ، حالی کا مرثیہ اقبال اور چکبست کے مراثی بہت مشہور ہیں۔

قصیدہ

اس صنفِ سخن میں بادشاہ، امیر یا کسی رئیس کی تعریف و توصیف کا بیان کیا جاتا ہے یہ صنفِ سخن عربی سے فارسی میں اور فارسی سے اُردو میں داخل ہوئی اور رواج پا گئی۔

غزل کی طرح قصیدے کی ابتدا بھی دکنی میں ہوئی جہاں محمد قلی قطب شاہ کی شان میں قصائید کہے گئے لیکن اس صنفِ سخن نے شمالی ہند میں انتہائی عروج پایا۔

قصیدے کے اجزائے ترکیبی چار ہیں:-

پہلا جز- تشبیب کا ہوتا ہے جس میں شاعر تمہید باندھتا ہے اس میں بہاریہ مضامین باندھ کر خوشگوار ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ گریز کا ہوتا ہے جس میں شاعر تمہید سے ہٹ کر اپنے ممدوح کی تعریف شروع کرتا ہے۔ تیسرا جز ممدوح کا ہے جس میں شاعر اپنے ممدوح کی دل کھول کر تعریف کرتا ہے۔ جواز و ثبوت کو کرتا ہے بس حصہ میں وہ

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اس کی ریاست، قابلیت، ریاست، شجاعت، فیاضی اور عدل وغیرہ کا بیان کرتا ہے۔ قصیدہ کا آخری جز دعائیہ ہوتا ہے جس میں شاعر اپنے ممدوح کے حق میں دعا کرتا ہے اور اپنی خواہش کا اظہار کر کے مدح سرائی کا صلہ چاہتا ہے۔

قصیدے میں انتہائی مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے اور بعض اوقات تو شاعر زورِ بیان میں مبالغہ کی ممکن حدود سے بھی تجاوز کر جاتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں سیاسی اور سماجی حالات بدل چکے ہیں شخصی بادشاہتیں، نوابیاں اور راجواڑے ختم ہو چکے ہیں جمہوریت کا دَور دَورہ ہے۔ اس لئے قصیدہ گوئی بھی تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ اور اب صرف تاریخ ادب اردو میں صرف ایک گزشتہ صنفِ سخن کی حیثیت سے رہ گئی ہے۔

دکنی قصائد میں بادشاہوں کے قصیدوں کے علاوہ موسموں اور تہواروں پر بھی قصائد کہے گئے ہیں۔ دکنی کے مشہور قصیدہ گو شعرائیں نصرتی اور ولی بہت مشہور ہیں اور شمالی ہند میں قصیدے کو نئی آن بان دینے والوں میں مرزا سودا کا نام سرِ فہرست ہے جنہوں نے فارسی قصیدے کی پوری تقلید کی ہے۔ آپ کے ہجویہ اشعار اور مذہبی قصائد بھی لاجواب ہیں۔ سودا کے علاوہ ذوق، میر، غالب، منیر، امیر اور محسن کاکوروی نے بھی قصائد لکھے ہیں۔

رُباعی

یہ اردو شاعری کی ایک مقبول صنفِ سخن ہے۔ اس میں قطعہ کی طرح چار مصرعے ہوتے ہیں جس میں ایک مضمون باندھا جاتا ہے اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ رباعی کا آخری مصرعہ بہت زوردار ہوتا ہے کیونکہ اس کو رباعی کی جان تصور کیا جاتا ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

قطعہ اور رباعی میں اوزان کا فرق ہے یعنی رباعی کے مخصوص اوزان ہیں جن میں قطعات نہیں کہے جا سکتے۔ رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے۔ اس لئے بہت کم شاعر اس میدان کے مرد ہو سکے ہیں۔ میر انیس، رواں اور امجد نے بہت دلکش رباعیاں کہی ہیں۔ یہ صنف سخن بھی فارسی کے زیر اثر اردو میں رواج پا گئی۔ پہلے جنوبی ہند اور پھر شمالی ہند میں اس کی ابتداء ہوئی اور دھیرے دھیرے مروج ہونے کے بعد باقاعدہ منفرد صنف سخن کی شکل اختیار کر گئی۔ رباعی میں مختصر خیالات باندھے جاتے ہیں۔

قطعہ

قطعے کے لغوی معنی ٹکڑے کے ہیں۔ شاعری کے ابتدائی دور میں یہ غزل اور قصیدے میں حسب ضرورت مستعمل تھا۔ لیکن اپنی افادیت کو تسلیم کر لینے کے بعد اب یہ ایک باقاعدہ صنف سخن ہے۔ اس میں ردیف قافیہ کی پابندی پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعہ میں ضروری ہے۔

اس میں اشعار کی تعداد کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ پچیس ہوتی ہے۔ اس کے اشعار مسلسل ہوتے ہیں یعنی ایک کا تعلق دوسرے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا بیان میں تسلسل ہونا ضروری ہے۔ یوں تو ہر قسم کے خیالات قطعہ میں نظم کئے جا سکتے ہیں لیکن عام طور سے نصیحت آموز، اخلاقی یا روحانی خیالات کو ہی قطعہ میں تسلیم کرتے ہیں۔

قطعہ کہنے کی ابتداء بھی متقدمین سے ہوئی۔ شاعری کے وسط دور میں بھی قطعات کہے گئے۔ لیکن حالی کے بعد اکثر شاعروں نے قطعات کہے ہیں اور خوب کہے ہیں۔ اکبر الہ آبادی، مولانا شبلی، ڈاکٹر اقبال، جوش ملیح آبادی، اختر شیرانی، اختر انصاری وغیرہ نے قطعہ کو گہرائی، گیرائی، غور و فکر، اختصار و جامعیت، سنجیدگی، متانت اور

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تخیل کی بلند پروازی عطا کی ہے۔

نظم

اردو شاعری میں نئے موضوعات اور داخلی کیفیات، خارجی واقعات، مناظر قدرت، مشاہدات، تفصیلات اور جذبات و رجحانات جس صنف سخن کے تحت بخوبی بیان کئے جاتے ہیں، وہ نظم کہلاتے ہیں۔

آزاد نظم، نظم معریٰ اور نثری نظمیں اس صنف سخن کی بہت سی شکلیں ہیں جو ترقی پسند تحریک کے بعد مغربی ادب کے اثرات کے تحت کی جاتی رہی ہیں۔ حالاں کہ متقدمین میں قلی قطب شاہ، میر تقی میر نے بھی نظمیں کہی ہیں لیکن اردو کی نظم گوئی نظیر اکبرآبادی کے ہاتھ ہے جنہوں نے سینکڑوں نظمیں کہہ کر اس کو باقاعدہ ایک صنف سخن کی حیثیت سے برتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کی آزادی ناکام ہونے کے بعد مغربی علوم و فنون کے بڑھتے ہوئے اثرات نے اردو شاعری کے رخ کو بھی موڑ دیا۔ آزاد اور حالی اسی تبدیلی سخن کے مبلغ ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی، شبلی، اور نذیر احمد کو بھی اس زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے نظم خوب رائج ہو گئی۔ تحریک آزادی نے اس کے فروغ کے لئے فضا سازگار کر دی۔ اس کے وسیع معانی نے شاعروں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اور انہوں نے نظم کو ہی اپنے خیالات کے اظہار کا پیکر بنایا۔

محروم، چکبست، سیماب، ظفر علی خان، اقبال، افسر میرٹھی وغیرہ نے بے شمار نظمیں کہہ کر اس صنف سخن کو نئے خیالات سے مالا مال کیا اور مقبول بنا دیا۔

موجودہ دور میں جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، ملا، احسان دانش، فیض احمد فیض، جاں نثار اختر، علی سردار جعفری اور ن۔ م۔ راشد نے نظم کو جدید ترین موضوعات اور خیالات سے نوازا ہے۔

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تشبیہ کا بیان

تشبیہ :۔ تشبیہ کے معنی ہیں مانند۔ ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دے کر مقابلہ کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ شعر کی جان ہوتی ہے۔ جس عبارت میں تشبیہ نہ ہو وہ روکھی سوکھی، پھیکی اور بھدی سی ہوتی ہے۔ اس لئے تشبیہ کا نظم و نثر دونوں میں ہونا ضروری ہے۔ ؎ نازکی اُس کے لب کی کیا کہئے، پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

؎ تیرے رخسار و گیسو کو بتا تشبیہ دوں کیوں کر

نہ ہے لالہ میں رنگ ایسا۔ نہ ہے سنبل میں بُو ایسی

تشبیہ کے ارکان :۔ تشبیہ کے پانچ ارکان ہیں۔

(1) مُشبہ (2) مُشبہ بہ (3) وجہ شبہ (4) غرض تشبیہ (5) حرفِ تشبیہ

مثال :۔ نازکی اُس کے لب کی کیا کہئے

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب مشبہ، پنکھڑی مُشبہ بہ، نازکی وجہ شبہ، اظہارِ خوبصورتی غرض تشبیہ اور کی سی حرفِ تشبیہ ہیں۔

استعارہ کا بیان

استعارہ :۔ استعارہ کے معنی ہیں اُدھار لینا یا مانگنا۔ کسی چیز کی صفت کو اُدھار لیکر تشبیہ دینے کو استعارہ کہتے ہیں یا کسی لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کرنے کے لئے حقیقی اور مجازی معنوں میں کوئی نہ کوئی تعلق ہو۔ مثال :۔

چشمِ نم میں تیرا آئینہ کشتیاں ہے ؎ دامنِ موجِ ہوا جس کے لئے رومال ہے

CC-0. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

استعارہ کی تین مشہور قسمیں ہیں:۔ (1) استعارہ بالتصریح (2) استعارہ بالکنایہ (3) استعارہ تخیلیہ۔

(1) استعارہ بالتصریح:۔ وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ بہ ادھار لیا گیا ہو۔ جیسے:۔

ربط رہنے لگا اس شمع کو پروانوں سے
آشنائی کا کیا حوصلہ بیگانوں سے

(2) استعارہ بالکنایہ:۔ وہ استعارہ ہے جس میں مشبہ بہ کا ذکر نہ کریں۔ مناسبات ضرور بیان کی گئی ہوں۔ جیسے:۔

نہیں ممکن کہ کلکِ فکر لکھے شعر سب اچھے
برستا ہے بہت نیساں گہر ہوتے ہیں کم پیدا

(3) استعارہ تخیلیہ:۔ استعارہ بالکنایہ میں جو ترتیب ہوتی ہے، اسے استعارہ تخیلیہ کہتے ہیں۔ جیسے:۔ اوپر کے شعر میں کلک کا ذکر کرنا منشی کے نہ ہونے کی ترتیب ہے۔

تشبیہاتِ مخصوصہ

آب شور کی طرح نمکین	بوڑھے کی طرح ضعیف
آگ کی طرح گرم	بدھ کی طرح تارکِ دُنیا
آگ کی طرح جوشیلا	بادل کی طرح گرجنا
اُون کی طرح گرم	بُلبل کی طرح چہکنا
بچھو کی طرح اندھا	بجلی کی طرح چمکنا
بلور کی طرح شفاف	بھیڑیئے کی طرح خونخوار
برف جیسا ٹھنڈا	پتھر کی طرح سخت
بُت کی مانند خاموش	پہاڑ کی طرح اٹل

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

تیر کی طرح سیدھا	بجلی کی طرح چمکیلا
تیل کی طرح چکنا	بانس کی طرح لمبا
تلوار کی طرح تیز	بکری کی طرح ڈرپوک
عاشق کی مانند ملول	ٹٹو کی طرح اڑیل
شب کی طرح تاریک	چیتے جیسی کمر
شیشے کی طرح نازک	حاتم جیسا سخی
عید کا سا سماں	حضرت ایوبؑ کی طرح صابر
قارون جیسا دولت مند	حضرت علیؓ کی طرح بہادر
دودھ کی طرح سفید	خون کی مانند سرخ
کوّے کی طرح کالا	خیال کی مانند تیزرو
کتے کی طرح حریص	خاک کی طرح عاجز
کچے دھاگے کی طرح کمزور	خلیفہ عمرؓ کی طرح مدبر
نوشیرواں جیسا عادل	مجنوں جیسا عاشق
نیم کی طرح کڑوا	محمد شاہ جیسا رنگیلا
ہوا کی طرح تیز رفتار	مخمل کی طرح نرم
یوسف جیسا خوبصورت	موت کی مانند یقینی
ہوا کی مانند آزاد	مکھن کی طرح ملائم

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اوراقِ ادب کے حصّہ نظم اور اصنافِ ادب سے چند ضروری اور عام معلومات سے متعلق اوبجیکٹو ٹائپ اور مختصر جواب والے سوالات اور جوابات

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

اوراقِ ادب کے حصۂ نظم کے شعراء

نام شاعر	سن پیدائش	سن وفات	اہم تصانیف
میر تقی میر	1724ء	1810ء	انتخاب کلام میر
حیدر علی آتش	1778ء	1846ء	انتخاب آتش
مرزا غالب	1796ء	1869ء	دیوانِ غالب
حالی	1837ء	1914ء	دیوانِ حالی
حسرت موہانی	1875ء	1951ء	انتخاب کلام حسرت
جگر مراد آبادی	1890ء	1960ء	شعلۂ طور۔ داغِ جگر
نظیر اکبر آبادی	1735ء	1820ء	عید الفطر۔ مکافاتِ عمل
میر انیس	1802ء	1875ء	حضرت حسینؑ کی جنگ کے لئے رخصت
حالی	1837ء	1914ء	خودستائی۔
اکبر الہ آبادی	1846ء	1921ء	کشمکش، فرضی لطیفہ، دو تیتریاں، ختم بہار
ڈاکٹر اقبال	1876ء	1938ء	قومی گیت، جگنو، ابر
درگا سہائے سرور	1872ء	1910ء	مرغابی۔ بچپن کی یاد۔
برج نرائن چکبست	1882ء	1926ء	خاک ہند۔ رامائن کا ایک سین۔
مجاز	1911ء	1955ء	رات اور ریل۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س۔ شعرائے ذیل کا سن وفات نیچے دیئے ہوئے سنوں سے اُن کے ناموں کے سامنے لکھیے :۔ نظیر اکبر آبادی، میر انیس، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، چکبست۔

سنہ 1926ء، سنہ 1875ء، سنہ 1938ء، سنہ 1921ء، سنہ 1820ء، سنہ 1910ء

ج۔ نظیر سنہ 1820ء، میر انیس سنہ 1875ء، اکبر الہ آبادی سنہ 1921ء
علامہ اقبال سنہ 1938ء، چکبست سنہ 1926ء

س۔ ذیل کے شعراء کی تاریخ پیدائش اُن کے نام کے سامنے درج کیجئے؟ میر، آتش، غالب، حالی، حسرت، جگر۔

سنہ 1778ء، سنہ 1875ء، سنہ 1890ء، سنہ 1837ء، سنہ 1724ء، سنہ 1796ء

ج۔ میر سنہ 1724ء، آتش سنہ 1778ء، غالب سنہ 1796ء،
حالی سنہ 1837ء، حسرت سنہ 1875ء، جگر سنہ 1890ء

س۔ شعرائے ذیل میں سے دو غزل گو، دو مرثیہ گو اور دو قصیدہ گو شعراء کے نام کا انتخاب کریں؟

میر تقی میر، میر انیس، مرزا سودا، مرزا دبیر، مرزا غالب، شیخ ذوق

ج۔ غزل گو شاعر۔ میر تقی میر اور مرزا غالب۔
مرثیہ گو شاعر۔ میر انیس اور مرزا دبیر
قصیدہ گو شاعر۔ مرزا سودا، اور شیخ ذوق

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س۔ میر تقی میر، آتش، غالب، حالی، حسرت، جگر کے اشعار کی نشاندہی کیجئے؟ اشعار یہ ہیں:-

ج۔ نازکی اُس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
(میر تقی میر)

؎ کام آخر جذبۂ بے اختیار آہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا اُن کو پیار آہی گیا
(جگر مرادآبادی)

؎ مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
(مولانا حالی)

؎ ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی
(مرزا غالب)

؎ ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
(میر تقی میر)

؎ کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
کس کی حاجت روا کرے کوئی
(مرزا غالب)

؎ تیری محفل سے اُٹھاتا غیر مجھ کو کیا مجال
دیکھتا تھا میں کہ تو نے بھی اشارہ کر دیا
(حسرت موہانی)

؎ دل گیا رونق حیات گئی
غم گیا ساری کائنات گئی
(جگر مرادآبادی)

؎ زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
(آتش)

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ے دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے (مرزا غالب)

ے دل کی کدورتیں اگر انساں سے دور ہوں
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں (آتش)

ے بڑھاؤ نہ آپس میں ملّت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ (مولانا حالی)

س۔ ذیل کے اشعار میں خالی جگہیں دیئے گئے موزوں الفاظ سے پُر کیجئے؟

الفاظ:۔ روداد، رعنائی، آشیاں، مستی، کدورتیں، غرق، مزار، جنازہ، ہمدم، صورت، پیار، بے اختیار۔

ج۔ ے یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودائی نہ تھا
باوجودِ حسن تو آگاہ .... نہ تھا (رعنائی)

ے میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری ...... شراب کی سی ہے (مستی)

ے دل کی ...... اگر انساں سے دور ہوں (کدورتیں)
سارے نفاق گبر و مسلماں سے دور ہوں

ے ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ ..... دریا (غرق)
نہ کبھی ...... اٹھتا نہ کہیں .... ہوتا (جنازہ، مزار)

ے کام آخر جذبۂ .... آ ہی گیا (بے اختیار)
دل کچھ اس ...... سے تڑپا ان کو ..... پیار آ ہی گیا (صورت، بے اختیار)

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

ہ قفس میں مجھ سے ..... چمن کہتے نہ ڈر .....

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا ..... کیوں ہو

روداد، ہمدم، آشیاں۔

س۔ 'مکافاتِ عمل' میں نظیرؔ نے کیا سبق سکھایا ہے؟

ج۔ وہ ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ اِنسان کو اپنے اعمال کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ اِس دُنیا میں دیر اور اندھیرا نہیں ہے بلکہ عدل و انصاف ہے۔ جیسا کہ ایک مقولہ ہے۔

ع۔ بھگوان کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے

س۔ میر انیسؔ نے حضرت حسینؓ کے رخصت لے کر میدانِ جنگ میں چلنے کا جو نقشہ کھینچا ہے اپنے الفاظ میں لکھیئے؟

ج۔ حضرت حسینؓ جس وقت میدانِ جنگ میں چلنے کے لئے رخصت ہوتے ہیں تو جنگ کے جھنڈے کھول دئے جاتے ہیں اور سپاہی قطار در قطار آگے بڑھتے چلتے ہیں۔ یہ دیکھ کر دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے کہ حضرت حسینؓ میدانِ جنگ میں آ رہے ہیں۔

س۔ 'خودستائی' میں حالیؔ نے کن لوگوں کا ذکر کیا ہے؟

ج۔ حالیؔ نے فرمایا ہے کہ دُنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جو خودستا نہ ہو اور اپنی تعریف خود نہ کرتا ہو۔ عقلمند لوگ اپنی خودستائی سو سو طریقوں سے پردوں میں کرتے ہیں لیکن کم عقل لوگ اپنی تعریف کھلم کھلا الفاظ میں کرتے ہیں۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

س۔ 'فرضی لطیفہ' میں اکبر الہ آبادی کی مزاحیہ نگاری کیسی ہے؟

ج۔ انہوں نے مسلمانوں کی حالت پر ایک فرضی لطیفہ لکھا ہے کہ لیلےٰ کی ماں نے ایک دن مجنون سے کہا۔ اے بیٹے! اگر تم ایم۔اے پاس کر لو تو میں لیلےٰ کی شادی تجھ سے کر دوں گی۔ اُس نے جواب دیا کہ کجا لیلےٰ کا عشق اور کجا کالج کی پڑھائی۔ مجھ سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں طبیعت کے خلاف پڑھائی میں محنت کروں اور اپنے معشوق لیلےٰ کو بھول جاؤں۔

س۔ 'قومی گیت' میں اقبال نے ہندوستان کی عظمت کو کیسے پیش کیا ہے؟

ج۔ اقبال نے یہ نظم اُس زمانہ میں لکھی جب اُن پر وطن پروری کا رنگ غالب تھا۔ اور اس نظم میں انہوں نے اپنے وطن کی عظمت کا راگ گایا ہے اور اپنے وطن ہندوستان کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ہے۔

س۔ چکبست کی نظم 'خاکِ ہند' سے وطنیت کی شان ٹپکتی ہے۔ اپنے الفاظ میں لکھیئے؟

ج۔ اس نظم میں چکبست نے وطن کی عظمت کا راگ گایا ہے۔ ہمالیہ جیسے بلند پہاڑوں گنگا جیسے متبرک دریاؤں، اکبر جیسے عادل اور منصف بادشاہوں مہاتما گوتم اور سرمد جیسے مہاپرشوں، رانا جیسے شور بیروں اور کشمیر جیسی جنت نشان وادی کا ذکر کیا ہے۔

س۔ 'رات اور ریل' نظم میں مجاز نے کیسی منظر کشی کی ہے؟

ج۔ 'رات اور ریل' نظم میں مجاز نے رات کے وقت ریل کے چلنے کا منظر دکھایا ہے کہ وہ کس طرح جنگلوں پہاڑوں میدانوں اور وادیوں کو

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

چیرتی ہوئی دیوانہ وار طوفانی گرج کے ساتھ شیرنی کی طرح بپھرتی ہوئی اپنے سفر کو طے کرتی جاتی ہے ؂

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

جموں و کشمیر سٹیٹ بورڈ آف سکول ایجوکیشن

پرچہ اردو اے برائے ہائیر سکینڈری پارٹ فسٹ 1985ء

نمبر ۱۔ اقتباس ذیل کی مصنف اور سبق کے حوالے سے وضاحت کیجیے ؟

میرے ہمجولیوں میں ایک لڑکا گیا نام کا تھا۔ مجھ سے دو تین سال بڑا ہوگا۔ دبلا لمبا۔ بندروں کی سی پھرتی۔ بندروں کی سی جھپٹ۔ گلی کیسی ہو اس پر اس طرح لپکتا تھا جس طرح چھپکلی کیڑوں پر لپکتی ہے۔ معلوم نہیں اس کے ماں باپ کون تھے کہاں رہتا تھا کیا کھاتا تھا پر تھا ہمارے گلی کلب کا چیمپئن جس کی طرف وہ آجائے اس کی جیت یقینی تھی۔ ہم سب اسے دور سے آتا دیکھ کر اس کا استقبال کرتے تھے اور اسے اپنا گوئیاں بنا لیتے تھے۔

یا

رات کو بستر پر لیٹا تو بائیسکل پر سیر کرنے کے مختلف پروگرام تجویز کرتا رہا۔ یہ ارادہ تو پختہ کر لیا کہ دو تین دن کے اندر اندر ارد گرد کی تمام مشہور تاریخی عمارات اور کھنڈروں کو نئے سرے سے دیکھ ڈالوں گا۔ اس کے بعد اگلے گرمی کے موسم میں ہو سکا تو بائیسکل پر کشمیر وغیرہ کی سیر کروں گا۔ صبح ہوا خوری کے لئے ہر روز نہر تک جایا کروں گا۔ شام کو ٹھنڈی سڑک پر جہاں اور لوگ سیر کو نکلیں گے میں بھی سڑک کی صاف شفاف سطح پر ہلکے ہلکے خاموشی کے ساتھ ہاتھی دانت کی ایک گیند کی مانند گزر جاؤں گا۔

نمبر ۲۔ جواہر لال نہرو یا رشید احمد صدیقی کے حالات زندگی اور طرز تحریر پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیئے:۔

یا

ڈاکٹر ذاکر حسین کے مضمون 'آخری قدم' یا منشی پریم چند کے افسانہ 'گلی ڈنڈا' کا خلاصہ پیش کیجیے ؟

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نمبر 3۔ نیچے دیئے گئے موضوعات میں سے کسی ایک پر مختصر مضمون لکھیے۔

(ا) یک جہتی (ب) ایک یادگار واقعہ (ج) پسندیدہ نثر نگار۔

(د) اگر میں شاعر/شاعرہ ہوتا/ہوتی۔ (ہ) ناول جس نے مجھے متاثر کیا۔

نمبر 4۔ (ا) درج ذیل اصناف ادب میں سے صرف دو پر نوٹ لکھئے۔

طنز، افسانہ، مقالہ، مزاح۔

(ب) محاورات ذیل میں صرف پانچ کا مطلب سمجھائیے اور انہیں جملوں میں استعمال کیجئے:۔ آبدیدہ ہونا۔ اپنا اُلو سیدھا کرنا۔ انگلیوں پر نچانا۔ بال بال بچنا۔ پاپڑ بیلنا۔ چار چاند لگانا۔ سُرخ رُو ہونا۔ حال پتلا ہونا۔ ماتھا رگڑنا۔ مٹھی میں رکھنا۔

نمبر 5۔ (ا) واضح جواب تحریر کیجئے۔

(1) تلاش کس کا مضمون ہے؟ (امتیاز علی تاج، قدسیہ زیدی یا رشید احمد صدیقی)

(2) منشی پریم چند کے دو مشہور افسانوی مجموعوں کا نام لکھئے۔

(3) جواہر لال نہرو نے کس سن میں وفات پائی اور کس تاریخ کو (۱۹۶۶ء یا ۱۹۶۴ء)۔

(4) پطرس بخاری کا اصلی نام بتائیے؟ (5) رشید احمد صدیقی اردو میں ایک مقبول (طنز نگار۔ مزاح نگار) ادیب کا درجہ رکھتے ہوں۔ (ب) خالی جگہوں کو پُر کیجئے:۔

(1) پریم چند .... میں انتقال کر گئے۔ (2) خنداں .... کی تصنیف ہے۔

(3) امتیاز علی تاج کا ایک ڈرامہ .... کے نام سے مشہور ہے۔

(4) درج نصاب مضمون .... اطہر پرویز نے لکھا ہے۔

(5) 'ایک کہانی' کا مصنف .... ہے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

پرچہ اُردو بی ہائیر سیکنڈری پارٹ فسٹ 1985ء

نمبر ۱۔ اشعار ذیل میں سے صرف چار کی بحوالہ تشریح کیجئے :-

(۱) صبر تھا ایک مونس ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

(۲) میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

(۳) جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

(۴) بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۵) پڑھ کے تیرا خط مرے دل کی عجب حالت ہوئی
اضطراب شوق نے اک حشر برپا کر دیا

(۶) پا کر مجھے بے کس تیری رحمت یہ پکاری
یہ بندۂ بے برگ و نوا میرے لئے ہے

(۷) دل گیا رونق حیات گئی
غم گیا ساری کائنات گئی

(۸) ہری سمت سے اُسے اے صبا یہ پیام آخر غم سنا
ابھی دیکھنا ہو تو دیکھ جا کہ خزاں ہے اپنی بہار پر

نمبر ۲:۔ میر انیس نے "حضرت حسینؑ کی جنگ کے لئے رخصت" کا
جو واقعہ بیان کیا ہے اُسے اپنے الفاظ میں تحریر کیجئے۔ یا
چکبست کی شامل نصاب نظم 'خاک ہند' کا مرکزی خیال
لکھیئے

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

نمبر ۴: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک کے حالات زندگی اور خصوصیات
کلام پر روشنی ڈالیے!
آتش۔ نظیر اکبر آبادی۔ اقبال۔ مجاز

نمبر ۵۔ (ا) درج ذیل اصناف شاعری میں سے دو پر نوٹ لکھیے۔
غزل۔ مثنوی۔ رباعی۔ قطعہ
(ب) اصطلاحات ذیل میں سے صرف دو کی تعریف لکھیے اور
مثالیں دیجیے۔ مشبہ بہ۔ تشبیہ۔ استعارہ بالکنایہ۔ طرفین استعارہ

نمبر ۶۔ (ا) صحیح جواب لکھیے
(۱) "مکافات عمل" کس کی نظم ہے؟ (اکبر۔ نظیر یا حالی کی)
(۲) میر انیس کا اصلی نام کیا ہے؟ (سلامت علی یا ببر علی)
(۳) "خود ستائی" کا تخلیق کار کون ہے؟ (مجاز۔ چکبست یا حالی)
(۴) "فرحۃ لطیفہ" ایک (نظم۔ غزل۔ قطعہ) ہے۔ اس کا لکھنے والا کون ہے؟
(۵) مجاز کا انتقال کہاں ہوگیا؟ (باردولی۔ لکھنو یا علی گڑھ میں)

(ب) خالی جگہوں کو پُر کیجیے:-
(۱) حالی کا اصلی نام ...... ہے۔
(۲) نصاب میں درج قومی گیت ..... نے لکھا ہے۔
(۳) چکبست ..... کا تخلص ہے
(۴) اکبر ..... میں پیدا ہوئے اور ..... میں انتقال کر گئے
(۵) جگر کا اصلی نام ..... ہے اور وہ .....
میں وفات پا گئے۔

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh

Gandhi Memorial College Of Education Bantalab Jammu

CC-O. Agamnigam Digital Preservation Foundation,Chandigarh